ماہنامہ محدث بنارس

www.mohaddis.org

سرپرست
عبداللہ سعود بن عبدالوحید

مدیر
مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی

معاون مدیر
مولانا عبدالمتین مدنی

اس شمارہ میں

۱-درس قرآن	عبداللہ سعود بن عبدالوحید	۲
۲-درس حدیث	مولانا عبدالمتین مدنی	۳
۳-افتتاحیہ	مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی	۴
۴-منہج سلف کی اہمیت اور......	عبدالغفار سلفی	۱۰
۵-بلد حرام کے فضائل اور......	محمد اسلم مبارک پوری	۱۵
۶-امام دارالہجرۃ مالک بن انس ؒ..	مولانا محمد ایوب سلفی	۲۲
۷-نماز باجماعت کے فوائد	محبوب عالم سمیع اللہ مدنی	۲۸
۸-بشریت رسول ﷺ کا عقیدہ	ابوالبیان رفعت سلفی	۳۲
۹-آثار صالحین سے تبرک کی......	طارق اسعد بن اسعد اعظمی	۳۸
۱۰-اخبار جامعہ	ادارہ	۴۴
۱۱-عالم اسلام	ظل الرحمٰن سلفی	۴۶
۱۲-باب الفتاوی	دارالافتاء	۴۷

عدد مسلسل: ۳۷۱

جلد: ۳۲ ، شمارہ: ۱۱

محرم ۱۴۳۶ھ = نومبر ۲۰۱۴ء

بدل اشتراک

- ہندوستان: **150** روپے
- بیرون ممالک: **40** ڈالر
- فی شمارہ: **15** روپے

اشتراک کے لیے ڈرافٹ مندرجہ ذیل نام سے بنوائیں

Name: **DAR-UT-TALEEF WAT-TARJAMA**
Bank: **ALLAHABAD BANK**
KAMACHHA, VARANASI
A/cNo.2**1044906358**
IFSC Code: ALLA0210547
SWIFT Code: ALLAINBBVAR

مراسلت کا پتہ

Darut Taleef Wat Tarjama
B.18/1-G, Reori Talab,
Varanasi - 221010

نوٹ : ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

یوم آخرت یعنی قیامت اور قرآن مجید

گذشتہ قومیں اور انبیاء کے واقعات درس عبرت ہیں

عبداللہ سعود بن عبدالوحید

﴿وَإِن يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَثَمُودُ، وَقَوْمُ إِبْرَاهِيمَ وَقَوْمُ لُوطٍ، وَأَصْحَابُ مَدْيَنَ وَكُذِّبَ مُوسَى فَأَمْلَيْتُ لِلْكَافِرِينَ ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ، فَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَقَصْرٍ مَّشِيدٍ، أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ﴾ (سورہ حج:۴۲-۴۶)

(اے محمد ﷺ!) اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو ان سے پہلے قوم نوح اور عاد اور ثمود (نے بھی جھٹلایا تھا) اور (اسی طرح) ابراہیم کی قوم اور لوط کی قوم اور مدین والوں نے (بھی جھٹلایا) اور موسیٰ بھی جھٹلائے گئے۔ تو میں نے ان انکار کرنے والوں کو مہلت دی پھر ان کی میں نے گرفت کی۔ تو ان کے انکار کا نتیجہ کیا ہوا؟ ہم نے کتنی ایسی بستیوں کو ہلاک کردیا جو ظالم تھیں۔ پس یہ اپنی شان وشوکت کے باوجود برباد پڑی ہیں اور کتنے کنویں بیکار اور محل ویران ہیں۔ کیا ان لوگوں نے روئے زمین پر سیر نہیں کی کہ ان کے پاس ایسے دل ہوتے جس سے سمجھتے یا کان ہوتے جس سے سنتے۔ بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہوجاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اہم اور بڑی قوموں اور اولوالعزم انبیاء کرام کے امتیوں کا اختصار کے ساتھ ذکر کرکے محمد ﷺ کو تسلی دی ہے کہ اگر آپ کی قوم آپ کی باتوں کو جھٹلا رہی ہے اور غفلت میں پڑی ہے تو ایسا پہلے بھی ہوتا رہا ہے۔ اگر یہ لوگ عقل سے کام لیں، آپ کی باتوں کو غور سے سنیں اور پچھلی قوموں کے حالات سے نصیحت حاصل کریں۔ تو ضرور ایمان لائیں گے۔ اگر ان نصیحتوں کے باوجود ایمان نہ لائے تو پرانی قوموں کے حالات ان کے سامنے ہیں، جنہوں نے انکار کیا تو اللہ نے ان کو ہلاک کردیا۔

اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ ایک قوم کے بعد دوسری پیدا کرسکتا ہے۔ دنیا اجڑنے کے بعد پھر بسا سکتا ہے۔ نبیوں اور رسولوں کے منکرین جھٹلانے والے آئے اور گئے۔ اس کے بعد بھی اللہ انسان کی رہنمائی کے لیے آخری نبی محمد ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا تاکہ انسان اپنی عاقبت سدھارے اور آخرت کے عذاب سے بچ جائے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کے واقعات مختصر اور مفصل مختلف انداز میں بیان کیا ہے تاکہ انسان اللہ کی پکڑ اور عذاب سے بچنے کی راہ اختیار کرے۔ انبیاء کرام ڈرانے والے اور خوش خبری دینے والے بنا کر بھیجے گئے۔ آخرت کی نجات اور دوسری ناختم ہونے والی زندگی میں کامیابی اسی کو نصیب ہوگی جو اللہ کے بتائے ہوئے صحیح طریقہ پر عمل کرے گا۔ اس کی حرام کردہ چیزوں سے بچے گا اور جو کام اللہ نے دوسری زندگی کی کامیابی کے لیے ضروری اور فرض قرار دیا ہے اس کو پورا کرے گا تب ہی وہ اللہ کے انعام واکرام کا مستحق ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہم کو قرآن مجید میں غور کرنے اور اللہ کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق زندگی کو گذارنے کی توفیق بخشے اور دوسری زندگی میں عزت وسرخروئی نصیب کرے، آمین۔☆

درس حدیث

سیرت طیبہ کی عظمت

مولانا عبدالمتین مدنی

عَنْ أَنَس رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: أَحْسَنَ النَّاس خُلُقاً. (متفق عليه)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے انہوں نے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ اخلاق کے اعتبار سے سب سے عمدہ انسان تھے۔

سیرت طیبہ گونا گوں خصائص وامتیازات کی حامل ہے، ان خصائص میں سب سے اعلی اور نمایاں خصوصیت آپ ﷺ کا خلق عظیم ہے۔ إنك لعلى خلق عظيم.

آپ کی اس خوبی کے معترف ومداح اپنے وپرائے سب ہیں، اسلام نے اپنی نشر واشاعت کا مشکل وطویل سفر اسی کے دوش پر طے کیا اور زمین پر حکومت کرنے سے پہلے ہی دلوں پر اپنی حکومت جمالی۔

آپ ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو بھی اسی خوبی کے اختیار کرنے کی تاکید فرمائی اور یہ واضح کردیا میری محبت وقربت کا سب سے زیادہ حقدار وہ ہے جو اخلاق کے اعتبار سے سب سے بہتر ہے۔

خود آپ ﷺ تمام انسانوں میں اخلاق کے اعتبار سے سب سے اچھے تھے، تمام اخلاقی خوبیاں آپ میں بدرجہ اتم موجود تھیں اور ان خوبیوں کا مظاہرہ بلاتکلف آپ کے اعمال سے ہوتا تھا۔ سیرت طیبہ میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک موقع پر میں اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ تھا اور آپ کے جسم مبارک پر ایک چادر تھی جس کا کنارہ موٹا (سخت) تھا، ایک اعرابی آیا اور اس نے آپ کی چادر کو پکڑ کر اس زور سے کھینچا کہ میں نے آپ کی گردن پر کناری کا نشان دیکھا پھر کہا کہ اللہ نے جو مال آپ کو دیا ہے اس میں سے مجھے بھی دیں، آپ ہنس پڑے اور اسے مال کے دینے کا حکم دیا۔

صبر وضبط اور اعلی ظرفی کی یہ کتنی عظیم الشان مثال ہے، بدسلوکی کا جواب ناراضگی وناگواری کے بجائے ہنس کر دینا اور پھر مطالبہ بھی پورا کرنا، سچ فرمایا اللہ رب العزت والجلال نے: ﴿فبما رحمة من الله لنت لهم ولو كنت فظا غليظ القلب لانفضوا من حولك.

ربیع الاول کے اس مہینہ میں اللہ کے رسول ﷺ کی ولادت باسعادت کا جشن عید میلاد النبی کے نام سے منایا جاتا ہے، جلسے جلوس، چراغاں، نعت خوانی کا اہتمام ہوتا ہے، سیرت طیبہ کا ذکر بھی ہوتا ہے، آپ سے عقیدت ومحبت کا اظہار کیا جاتا

(بقیہ صفحہ ۹ پر)

افتتاحیہ

دام ہر موج میں ہے حلقہ صد کام نہنگ

بابری مسجد کی شہادت کو بائیس سال گذر چکے ہیں، چھ دسمبر کا دن ہندوستانی تاریخ کا روز سیاہ بن چکا ہے، اس دن کو کیونکر فراموش کیا جاسکتا ہے، جب ہندوستانی جمہوریت کی عصمت کو تار تار کیا گیا، جمہوری آئین کے پرخچے اڑائے گئے، عہد مغلیہ کے بانی بابر کی یادگار عظیم الشان مسجد کو مذہبی جنونیوں نے شہید کردیا، بابری مسجد کا انہدام ہندوستانی جمہوریت اور آئین کے رخسار پر ایک زناٹے دار تھپڑ تھا، جس کا درد ہندوستان ہمیشہ محسوس کرے گا، مسجد تو ختم کردی گئی، اس کے آثار مٹا دیے گئے، مگر وہ گھر جسے صرف اللہ کی عبادت کے لیے تعمیر کیا گیا تھا، اس کی مٹی میں بسی ہوئی توحید کی خوشبو کو کون چرا سکتا ہے۔ ۲۰۱۰ء میں ہائی کورٹ کے فیصلے کے بعد سپریم کورٹ میں مقدمہ زیر سماعت ہے۔ جمہوریت اہرمنی قوت کے آگے گھٹنے ٹیک چکی ہے۔ سپریم کورٹ کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں آ بھی جائے تو کیا مذہبی جنونی بابری مسجد کی تعمیر نو کرنے دیں گے؟ ۱۹۴۹ء میں وزیر اعظم جواہر لال نہرو، مولانا ابوالکلام آزاد اور دیگر رہنماؤں کے شدید دباؤ کے باوجود حکومت اتر پردیش مسجد سے بت نہیں ہٹوا سکی تو موجودہ حالات میں مسجد کی تعمیر کی توقع کی جاسکتی ہے؟

آج بابری مسجد اور رام جنم بھومی کا قضیہ مذہبی سے زیادہ سیاسی بن چکا ہے۔ اس مسئلے نے آر ایس ایس، اس کی ذیلی تنظیموں خصوصا بھارتیہ جنتا پارٹی کو بے پناہ قوت بخشی ہے، فسطائیت کی جڑوں کو پھیلنے میں اس نزاع نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ ان سب کے باوجود ہندوستانی مسلمانوں نے امید کا دامن نہیں چھوڑا ہے، اللہ رب العالمین کا فرمان ہے: ﴿ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعى في خرابها أولئك ما كان لهم أن يدخلوها الا خائفين لهم في الدنيا خزى ولهم في الآخرة عذاب عظيم﴾ (سورۃ البقرۃ:۱۱۴) ترجمہ: اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ تعالی کی مسجدوں میں اللہ تعالی کے ذکر کیے جانے کو روکے اور ان کی بربادی کی کوشش کرے، ایسے لوگوں کو خوف کھاتے ہوئے ہی اس میں جانا چاہیے، ان کے لیے دنیا میں بھی رسوائی ہے اور آخرت میں بھی بڑا عذاب ہے۔

ہم مسلمان ہیں، ہمارا ایمان واذعان یہی ہے۔ ابرہہ کے لشکر کو برباد کرنے کے لیے ابابیلوں کا جھنڈ تو نہیں آئے گا مگر مسجد کو برباد کرنے والے ظالموں کے لیے اللہ نے دنیا میں رسوائی کا سامان ضرور کر رکھا ہے اور آخرت میں ان کے لیے عذاب الیم کا وعدہ کیا ہے۔ یقیناً اللہ کا فرمان شبہات سے بالاتر ہے۔

۱۹۸۴ء کے بعد مسجد ومندر دونوں کے ثبوت میں بے شمار شواہد، ثبوت اکٹھا کیے گئے، آثار قدیمہ کی رپورٹیں جمع کی

گئیں، تاریخی حقائق دریافت کیے گئے، کتابیں، مقالے اور مضامین کا انبار لگا دیا گیا، پھر بھی نئی نسل کو تاریخی حقائق سے واقف کرانے کے لیے انہیں بار بار منظر عام پر لانا ضروری ہے۔

مندر مسجد کے نزاع کا پس منظر:

یہ تاریخی حقیقت ہے کہ ۱۸۵۵ء سے قبل اجودھیا میں بابری مسجد سے متعلق کسی نزاع کا سراغ نہیں ملتا ہے۔ یہاں کے ہندو مسلمان باہم شیر وشکر ہوکر زندگی بسر کرتے تھے۔ مندر اور مسجد کے قضیہ کو سمجھنے کے لیے ہمیں ان واقعات پر ایک نظر ڈالنا ہوگا جو نزاع کی بنیاد بنے اور جن کی بنا پر مذہبی جنونیوں کو بابری مسجد پر ملکیت کا دعوی کرنے کی جرأت ہوئی۔ یہاں پر ہنومان گڑھی کی مسجد کا واقعہ ذکر کرنا مناسب ہوگا جس کی وجہ سے بابری مسجد میں خونریز تصادم ہوا اور سیکڑوں مسلمانوں کو بیراگیوں نے شہید کردیا۔ ابوالمنصور خاں صفدر جنگ (۱۷۳۷-۱۷۵۳) کے عہد میں ابھے رام نامی ایک سادھو اجودھیا میں رہتا تھا۔ خواب میں ہنومان نے اسے اپنے درشن دیے اور تعمیر مندر کی ہدایت کی۔ اسی زمانے میں نواب صفدر جنگ بیمار پڑے اور ابھے رام سے رجوع کیا۔ اس کی دعا سے نواب صاحب صحت یاب ہوئے۔ نواب صاحب کے تعاون سے اس نے ہنومان مندر تعمیر کرایا۔ (محمد نجم الغنی خاں: تاریخ اودھ حصہ پنجم ص ۱۹۹) نواب صفدر جنگ اور شجاع الدولہ (۱۷۵۳-۱۷۷۵) نے وہ پروانے جو مندر ہنومان گڑھی کی تعمیر کی اجازت کے لیے صادر فرمائے تھے، مولانا نجم الغنی خاں نے انہیں نقل کردیا ہے۔ صفدر جنگ کا ایک پروانہ درج ذیل ہے: ''ابھے رام بیراگی التماس نمود کہ در اودھ میخواہد کہ جائے ہنومان تعمیر سازد ولہذا مرقوم من شود کہ احدے متعرض احوال اونشود وغور واعانت لازم داند کہ بخاطر جمع در آنجا بودہ بعبادت الٰہی ودعائے خیر پرداز ومرقوم ہفتم شہر ذیقعدہ ۳ مطابق ۱۱۶۴ ہجری''۔ ترجمہ: ابھے رام بیراگی نے درخواست دیا ہے کہ وہ ہنومان استھل کی تعمیر کرنا چاہتا ہے، لہذا تحریر کیا جاتا ہے کہ کوئی شخص اس میں دخل اندازی نہ کرے اور اس کی اعانت کو لازم جانے تاکہ وہ سکون کے ساتھ خدا کی عبادت کرے اور دعائے خیر کرے۔ تحریر کردہ: ۷/ ذی قعدہ ۱۱۶۴ ہجری۔ (تاریخ اودھ حصہ پنجم ص ۲۰۰) اورنگ زیب کی بنوائی ہوئی قناتی مسجد جو ایک ٹیلے پر تھی، اس کے بارے میں ہندوؤں کا اصرار تھا کہ یہ ہنومان کی بیٹھک ہے، لیکن اس کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ملتا ہے کہ وہاں کسی مندر کو ڈھا کر مسجد بنائی گئی تھی۔ نواب صفدر جنگ کے دور میں بعض ہندوؤں نے مسجد کو منہدم کردیا۔ سرکاری فوج نے مجرموں کو سزا دے کر بدستور مسجد بنادی۔ اس مسجد میں ایک فقیر مسلمان اذان کہتا تھا اور نماز پڑھتا تھا۔ کئی بار اس مسجد کو نقصان پہنچایا گیا۔

جب علاقہ راٹھہ وغیرہ کی حکومت راجہ درشن سنگھ (۱) کے حوالہ ہوئی تو اس کے عہد میں بیراگیوں اور مہنتوں کا زور بڑھ

---

(۱) راجہ درشن سنگھ مہدونا فیض آباد کے تعلقہ دار راجہ بختاور سنگھ کا بھائی تھا۔ وہ سکلدیپی برہمنوں سے تعلق رکھتا۔ اس نے اجودھیا میں مسلمانوں کی زندگی تنگ کردی تھی۔ راجہ مان سنگھ جسے واجد علی شاہ کے دور میں بڑا عروج حاصل ہوا تھا، راجہ درشن سنگھ کا چھوٹا بیٹا تھا۔ (Dictionary of Indian Biography P. No. 274)

گیا تو دھیرے دھیرے اس مسجد کا نام ونشان مٹا دیا گیا۔ درشن سنگھ کے عہد میں اجودھیا میں کئی سال تک اذان اور گاؤکشی بند رہی۔ محمد علی شاہ (۱۸۳۷-۱۸۴۲) کے دور میں دوبارہ اذان اور گاؤکشی جاری ہوئی۔ مسجد رام گھاٹ دریا جسے فدائی خاں صوبہ دار(۱) نے بنوائی تھی اسے ہندؤں نے یہاں تک مٹا دیا کہ اس کے دومنارے اور ایک کنارے کی تھوڑی سی دیوار باقی رہی۔ نواب امجد علی شاہ (۱۸۴۲-۱۸۴۷) کے عہد میں اس کی تعمیر کا حکم ہوا، لیکن موت نے اسے مہلت نہ دی۔ قلعہ کی مسجد پر مہنت کچھمن نے قبضہ کرلیا۔ وہاں مسلمانوں کا گذر مشکل تھا۔ لہذا اس مسجد کا نام ونشان باقی نہ رہا۔

مذکورہ تینوں مساجد کے انہدام کے بعد اجودھیا کے مسلمانوں میں اضطراب پیدا ہونا لازمی تھا۔ اگر اسی طرح مسجدوں کا انہدام جاری رہا تو اجودھیا مسجدوں سے خالی ہوجائے گا۔

۱۸۵۵ء کا خوں ریز تصادم:

لگ بھگ تین سو مسلمان شاہ غلام حسین کی سربراہی میں ان مسجدوں کی بازیابی کے لیے بابری مسجد میں جمع ہوئے۔ یہ خبر سن کر الکژنڈر آر اپنے فوجیوں کو لے کر آگیا، اس کی مدد کے لیے فیض آباد سے جان ہرسی آگیا۔ بیراگیوں نے مسجد پر اچانک دھاوا بول دیا۔ مسلمان لڑتے لڑتے ہنومان گڑھی کے دروازے تک پہنچ گئے۔ پھر واپس پلٹے تو الکژنڈر اور جان ہرسی نے ان کو کہلا بھیجا کہ اب کمر کھول کر اطمینان سے اپنی مسجد میں رہو، تم سے کوئی اس وقت تک نہیں بولے گا جب تک مسجد (ہنومان گڑھی کی مسجد) کا فیصلہ نہیں ہوجائے گا۔ دونوں انگریز نے اپنی فوج ہٹا کر دور ایک درخت کے تلے چلے گئے۔ اس طرح انہوں نے بیراگیوں کو حملہ کرنے کا پورا موقع فراہم کردیا۔ پھر تو ہزاروں بیراگی مسجد میں گھس آئے اور تمام مسلمانوں کو قتل کردیا، قرآن کے پاروں کو جلایا اور لاشوں کو روندتے ہوئے گھر کی راہ لی۔ انگریزی فوج تماشائی بنی چپ چاپ کھڑی رہی۔ دوسرے دن کوتوال نثار احمد نے اسی مسجد کے دروازے پر گڑھا کھود کر لاشوں کو دفن کردیا۔ ان کے دفن کے بعد بیراگی مسجد میں آئے، ہون کیا، سنکھ بجایا، مسجد کی بڑی بے حرمتی کی، شہدائے سالار میں خواجہ میٹھے کی قبر کو توڑ ڈالا۔ یہ واقعہ دسویں یا بارہویں ذی قعدہ ۱۲۷۱ھ مطابق جولائی ۱۸۵۵ء کا ہے۔

مولوی غلام حسین کی شہادت کے بعد مسجد کی بازیابی کے لیے مسلمان مولوی امیر علی امیٹھوی کی قیادت میں کمربستہ ہوئے، اس کی بازگشت پورے ہندوستان میں سنائی دی، مولوی امیر علی کی نواب واجد علی شاہ، وزیر نقی علی خان اور ان کے نمائندوں سے گفتگو کے کئی دور چلے، واجد علی شاہ ریزیڈنٹ کے حکم کے بغیر کچھ نہیں کرسکتے تھے، جس کا کئی بار اس نے اظہار کیا، ایک ملاقات کا ذکر حدیقۂ شہداء کے مصنف نے اس طرح کیا ہے: ''نواب نے ارشاد کیا کہ آپ اتنی جلدی کیوں کرتے ہیں، ہم کو آپ سے زیادہ خیال ہے، واللہ کفار کی زیادتیوں کا بڑا ملال ہے، مگر کیا کریں قابو نہیں، صاحب کلاں سے مجال گفتگو نہیں

(۱) فدائی خاں کا نام عظیم خاں کوکا تھا، اورنگ زیب کے عہد میں بنگال کا گورنر بنا۔ ۱۶۷۸ء میں فوت ہوا۔

......'' (ص ۲۵) صاحب کلاں سے مراد انگریز ریزیڈنٹ ہے۔ مولوی امیر علی کی جدوجہد کی داستان بڑی طویل ہے جسے مولانا نجم الغنی خاں نے تاریخ اودھ حصہ پنجم میں حدیقۃ الشہدا، قیصر التواریخ وغیرہ سے نقل کیا ہے، وہ اپنے چھ سو پیروکاروں کے ساتھ کپتان بارلو کا شکار بنے اور ''سر میدان کفن بر دوش دارم'' پڑھتے ہوئے شہید ہوگئے۔

مذکورہ واقعات سے یہ واضح ہوگیا کہ اس جھگڑے میں تین پارٹیاں شامل تھیں، مسلمان، ہندو اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے کارپرداز۔ دونوں تصادم میں انگریزوں نے ہندؤں کا پورا ساتھ دیا، تاکہ ان کی ہمدردیاں حاصل ہوجائیں اور نظام حکومت کے چلانے میں مدد ملے۔ ہندوستان کی دو بڑی قوموں کے درمیان منافرت کا بیج ڈالنے میں وہ کامیاب رہے۔ ممکن تھا کہ اسی وقت بابری مسجد بھی ہاتھ سے نکل جاتی، لیکن مسلمانوں کی ہوشمندی نے اسے بچالیا۔ مسلمانوں نے بیراگیوں سے مسجد کو صاف کیا اور اس کے تحفظ کے لیے قانونی راستہ اختیار کرنا زیادہ مناسب سمجھا۔ اگلے پچاس سال انگریز افسروں اور مصنفین نے اپنی عیاری و مکاری سے رام جنم بھومی کا راستہ صاف کردیا اور اس راہ کے سارے کانٹے دور کردیے۔ ان کے پاس کوئی مستند ثبوت نہیں تھا کہ بابری مسجد رام مندر کو توڑ کر بنائی گئی ہے۔ اس لیے مسلمانوں کے دعوی کو رد بھی نہیں کرسکتے تھے۔ انہوں نے جھوٹی تاریخ سازی کے ذریعہ اور متضاد بیانات کے ذریعہ اس قضیہ کو بالکل الجھادیا۔

جنم استھان کا چبوترہ:

اس چبوترے کی اہمیت اس لیے بہت زیادہ ہے کہ اجودھیا کے ہندو مسلم میں منافرت اور دوری پیدا کرنے میں اس چبوترے کا اہم کردار رہا ہے۔ یہ چبوترہ ہندؤوں کی ملکیت تھا۔ ۱۸۵۸ء سے ۱۸۸۵ء تک اس کے پجاری بار بار اس پر مندر بنانے اور اس پر تعمیر کرنے کی اجازت مانگتے رہے۔ وقتا فوقتا غیر قانونی طور پر تعمیر کرنے کی کوشش بھی کی۔ مسلمانوں کی شکایت پر حکومت نے اس پر کارروائی کی اور تعمیر کو منہدم کرادیا۔

جنم استھان کا چبوترہ مشرقی اور مغربی جانب سے اکیس فٹ لمبا، شمالی اور جنوبی جانب سے سترہ فٹ چوڑا ہے، یہ جگہ احاطہ مسجد کی دیوار سے متصل داہنی سمت سیتا رسوئی کے نام سے اور صحن مسجد سے باہر بائیں پورب کی جانب جنم استھان کے نام سے ہے۔ یہ چبوترہ کب اور کیسے بنا اور کس نے مسجد سے متصل یہ زمین ہندؤوں کو پوجا کے لیے دیا، کسی تاریخ کی کتاب میں صراحت کے ساتھ اس کا ذکر نہیں ملتا ہے۔ قیصر التواریخ جلد دوم ص ۱۱۲ میں ہے: ''اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسجد سیتا رسوئی گھر کے پاس بنی اور جمہور اس کو سیتا رسوئی کی مسجد کہتے ہیں''۔ (حوالہ مذکور ج ۲ ص ۱۱۷) ایسا محسوس ہوتا ہے کہ رام جنم استھل کا افسانہ ۱۸۵۵ء کے آس پاس تراشا گیا اور محض ہندو مسلم کو مشتعل کرنے کے لیے بابری مسجد کے نزدیک رام جنم استھل اور سیتا رسوئی کی من گھڑت کہانی پھیلائی گئی اور اس کے لیے ایک چبوترہ بنالیا گیا، جس پر مندر بنانے کے لیے ہندو مہنت عدالت سے اجازت مانگتے رہتے۔ الگزنڈر کننگھم جو ہندوستان کے آثار قدیمہ کا بہت بڑا ماہر سمجھا جاتا تھا اس کی

رپورٹ کے کچھ اقتباسات سید صباح عبدالرحمٰن مرحوم نے نقل کیا ہے، اس نے متعدد مقامات پر زہر افشانی کی ہے، لیکن کہیں یہ نہیں ذکر کیا کہ بابری مسجد رام جنم استھان کو توڑ کر بنائی گئی ہے۔ تعجب تو یہ ہے کہ وہ لکھتا ہے کہ لکشمن گھاٹ سے ۴/۱ میل کے فاصلہ پر شہر کے قلب میں جنم استھان کا مندر کھڑا ہے، جب کیننگھم کے زمانہ (۱۸۷۱ء) میں یہ مندر باقی تھا تو بابری مسجد کے پاس رام جنم استھل کا کیا معنی؟ اس سے یہ حقیقت بھی کھل کر سامنے آگئی ہے کہ رام جنم استھل کا شوشہ محض ہندو مسلمانوں کو الجھانے کے لیے چھوڑا گیا۔ مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی اپنے ایک مقالہ میں لکھتے ہیں: ’’جس وقت یہ افسانہ ایجاد کیا گیا اس سے برسہا برس پہلے سے قلب شہر میں جنم استھان کا مندر موجود تھا اور آج بھی موجود ہے۔ (حبیب الرحمٰن قاسمی: ماہنامہ دارالعلوم دیوبند ستمبر اکتوبر ۲۰۱۲ء) ایک ہی شخص کی بیک وقت دو جگہ پیدائش کیسے ہوسکتی ہے؟

’’پانیر اخبار لکھنؤ مورخہ ۱۰/۱۱/ جنوری ۱۹۸۶ء میں اس کے ایک کالم نگار نے لکھا ہے کہ اکبر کے زمانے میں ہندو اس جگہ پر بیس مرتبہ حملہ آور ہوئے تو اس نے راجہ ٹوڈرمل اور بیربل کو اجودھیا بھیجا۔ دونوں نے وہاں کے مہنتوں سے گفتگو کی اور اس پر سمجھوتہ ہوا کہ مسجد کے بائیں جانب ایک چبوترہ رام مندر کے نام سے بنا دیا جائے، تاکہ ہندو وہاں آکر پوجا اور درشن کریں۔ کالم نگار نے اکبر کے زمانے کی کتاب ’’دیوان اکبری‘‘ کا حوالہ دیا ہے۔ جب کہ اس نام کی کسی کتاب کا وجود ہی نہیں ہے۔ اس حوالہ سے اس کی مراد آئین اکبری ہے تو اس میں ایسی کوئی روایت موجود نہیں ہے۔ (سید صباح الدین عبدالرحمٰن : بابری مسجد ص ۱۷) مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی نے ایک دوسری روایت کا ذکر کیا ہے: ’’شاطر انگریزوں نے سب سے پہلے جنم استھان اور سیتا کی رسوئی کا افسانہ ترتیب دیا اور ایک بدھسٹ نجومی کو پہلے سے سکھا پڑھا کر ان دونوں کی جگہ معلوم کی، اس نے طے شدہ سازش کے مطابق زائچہ کھینچ کر بتا دیا کہ ’’جنم استھان‘‘ اور ’’سیتا رسوئی‘‘ بابری مسجد سے متصل احاطہ کے اندر ہے، پھر اپنے زیر اثر ہندوؤں کو اکسایا کہ ان دونوں پوتر استھانوں کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

نقی علی خاں جو نواب واجد علی کا خسر اور وزیر تھا، انگریزوں کی اس سازش میں ان کا مؤید اور طرف دار تھا، اس نے اپنے اثر ورسوخ کے ذریعہ ناعاقبت اندیش نواب کو اس بات پر راضی کرلیا کہ بابری مسجد سے باہر مگر اس کے احاطہ کے اندر جنم استھان وسیتا رسوئی کے لیے جگہ دے دی جائے، چنانچہ مسجد کے مسقّف حصہ کے بالمقابل احاطہ مسجد کی دیوار سے متصل داہنی سمت سیتا رسوئی کے لیے اور صحن مسجد سے باہر بائیں پورب کی جانب جنم استھان کے نام سے ۲۱ فٹ لمبی اور ۱۷ فٹ چوڑی جگہ دے دی گئی جس پر اس وقت سے پوجا پاٹ کا سلسلہ بھی شروع کر دیا گیا۔ (حبیب الرحمٰن قاسمی: بابری مسجد کے مختلف مراحل، ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، ماہ ستمبر واکتوبر ۲۰۱۲ء)

اس سلسلہ کی ایک اور روایت ہے جو صحت کے زیادہ قرین قیاس ہے اور جس سے اس بات کی وضاحت ہوجاتی ہے کہ چبوترہ قدیم نہیں بلکہ جدید ہے اور ۱۸۵۵ء کے کچھ پہلے اس کی تعمیر ہوئی تھی، ۱۸۵۸ء میں محمد اصغر خطیب ومؤذن مورخہ ۳۰

نومبر ۱۸۵۸ء کو عدالت میں ایک عرضی دائر کی تھی جس میں اس نے ذکر کیا تھا مسجد کے ملحق جنم استھان سینکڑوں برس سے خالی اور ویران تھا اور وہیں آ کر ہندو پوجا کرتے تھے، لیکن بیراگیوں نے تھانے دار نبی بخش سے سازش کر کے شباشبی (راتوں رات) ایک چبوترہ تیار کرلیا تھا۔ ڈپٹی کمشنر نے اس سلسلے میں تھانیدار کو معطل کردیا اور بیراگیوں پر جرمانہ کیا مگر چبوترہ توڑا نہیں گیا بلکہ ایسا ہی رہنے دیا گیا، جس کے بعد بیراگیوں نے اسے اور بڑھالیا۔ اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ جنم استھان کی جائے وقوع مسجد سے باہر تھی جہاں مسجد بنی ہے وہ جگہ نہیں ہے۔(۱) آنے والے دنوں میں بیراگیوں اور مہنتوں نے اسی چبوترہ پر مندر بنانے اور چھپر وغیرہ ڈالنے کا مطالبہ کیا جسے حکومت نے نامنظور کردیا، اس چبوترہ کو سیتا کی رسوئی اور رام جنم بھومی کا استھان کہا گیا اور اسے انگریزوں اور ہندؤں نے اس قدر مشہور کردیا جیسے سینکڑوں برس سے وہ چبوترہ موجود رہا ہو۔ اجودھیا کے مسلمانوں نے بھی اس مسئلہ کو بہت زیادہ طول نہیں دیا کیوں کہ مسجد محفوظ تھی، ہاں چبوترہ کو بڑھانے یا اس پر کسی قسم کی تعمیر کے سخت خلاف تھے۔ اس لیے کہ مندر بنتا تو پوجا پاٹ کے ساتھ سنکھ اور گھنٹیاں بھی بجائی جاتیں جس سے نمازیوں کو تکلیف ہوتی اور فساد کا اندیشہ بھی بڑھ جاتا۔

(جاری)

☆☆☆

(بقیہ درس حدیث)

ہے اور بسا اوقات جو لوگ اس جشن کا حصہ نہیں بنتے انہیں ہدف ملامت بننا پڑتا ہے۔ جشن کے اس موقع پر اللہ کے رسول ﷺ کے اخلاق کریمانہ کو تفصیل سے ذکر کیا جاتا اور رونق بزم ولذت سماعت کے بجائے صدق دل سے اس کے سانچے میں اپنے عمل کو ڈھالنے کا عزم کیا جاتا تو شاید دنیا کا نقشہ ہی بدل جاتا، ورنہ کم از کم ہمارے اخلاق وکردار تو سنور جاتے، ہمارے اعمال اسلام کی حقانیت کے سچے ترجمان بنتے، نفرت کی جگہ محبت، دوری کی جگہ قربت اور جنگ وجدال کے بجائے امن وامان کا بول بالا ہوتا۔ ہمارے تعلقات احباب واغیار کے ساتھ محبت وخیر خواہی پر مبنی ہوتے۔ ہمارے معاملات سچائی ودیانتداری پر قائم ہوتے۔ امیر وغریب کی معاشرہ میں کوئی تفریق نہ ہوتی۔ چھوٹوں کو بڑوں کی محبت اور بڑوں کو چھوٹوں کا احترام حاصل ہوتا۔ معاشرہ کا بیمار، کمزور اور پریشان حال شخص بھی اس بات کو محسوس کرتا کہ وہ اپنی اس پریشانی میں تنہا نہیں بلکہ پورا معاشرہ اس کی مدد کے لیے اس کے ساتھ کھڑا ہے۔

کیا ہم اتنے بے توفیق ہوگئے کہ ہم معاشرہ کو سیرت طیبہ سے مستنیر نہیں کرسکتے اور ان خوبیوں سے آشنا کرسکتے جن خوبیوں کو اللہ نے ہمارے لیے اسوہ حسنہ قرار دیا ہے۔ (یا لیت قومی یعلمون)

☆☆☆

---

(۱) مقدمہ کی تفصیل سید صباح الدین عبدالرحمٰن کی کتاب ''بابری مسجد''، سید شہاب الدین کی انگریزی میگزین مسلم انڈیا اور تاریخ بابری مسجد سے متعلق دیگر کتابوں میں مذکور ہے۔

خطبۂ مسجد حرام

منہج سلف کی اہمیت اوراس کی بعض خصوصیات

خطیب: ڈاکٹر الشیخ عبدالرحمٰن السدیس
ترجمہ: عبدالغفار سلفی / بنارس

تاریخ وتہذیب کا مضبوط رشتہ یہ بتلاتا ہے کہ عقیدہ صحیحہ کے علاوہ کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو بکھرے ہوئے موتیوں کو ایک لڑی میں پرودے اور اجنبی لوگوں کے دلوں میں الفت ڈال دے اور آپس میں نفرت پیدا کرنے والے نظریات ہم آہنگ کردے۔

تو کیا یہ امت اپنے ذلت آمیز اختلاف وانتشار، خفت آمیز تخلف، تاریک راہوں میں حیرانی وسرگردانی اور ضلالت کی تاریک وادیوں میں قدم رکھنے کے بعد یہ بات یاد رکھے گی کہ امن وامان کے ساحل تک پہنچنے والی نجات وہ سلفی منہج ہے جو قرون مفضلہ کا منہج ہے۔ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے یہ حدیث روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: سب سے بہترین لوگ میری صدی کے ہیں پھر وہ لوگ جو ان کے بعد کے ہیں پھر وہ لوگ جو ان کے بعد کے ہیں۔

حقیقت میں یہ بہت افسوس کی بات ہے کہ ہم موجودہ دور میں امت کے فرزندوں کی ایک بڑی تعداد کو دیکھتے ہیں کہ وہ سلف صالحین کے منہج کے معاملے میں تفریط کا شکار ہیں۔ یہ ان لوگوں کے مسلک ومشرب سے استفادہ کررہے ہیں جو بھٹکے ہوئے اور گمراہ ہیں۔ یہ اسلاف کرام اور ان کے صاف اور واضح منہج کی مخالفت کررہے ہیں۔ گلوبلائزیشن اور مغرب پسندی سے متاثر ہوکر یہ لوگ دین میں ثابت شدہ چیزوں اور شریعت کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔

دوسری طرف کچھ ایسے لوگ ہیں جو غلو اور تکفیر کے فتنہ میں مبتلا ہیں۔ تشدد، قتل، تخریب اور تباہی ان کا شیوہ ہے، اس طرح کی اور بھی بہت ساری مصیبتیں ان کے یہاں ہیں جن سے ہر موحد اور مومن بری ہے اور جن سے صرف غلو پسند خوارج ہی متصف ہوسکتے ہیں۔

مسلمانو! اس وقت دنیا میں مختلف قسم کے فتنے اور اضطرابات موجیں ماررہے ہیں اور مختلف فرقے، نسبتیں، گروہ، جماعتیں اور پارٹیاں بھری پڑی ہیں جنہوں نے اسلامی اصطلاحات کو استعمال کرکے اس کے روشن چہرے کو مسخ کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہر ایک حق پر ہونے کا دعوی کررہا ہے۔ ایسے حالات میں آدمی کو چاہیے کہ نجات کا راستہ تلاش کرے اور یہ وہی راستہ جس راستے پر اسلاف کرام گامزن تھے۔

سلف صالحین کے منہج پر غور کرنے والا یہ پائے گا کہ اس عظیم الشان منہج کی کچھ ایسی خصوصیات ہیں جن میں کوئی دوسرا منہج اس کے ساتھ شریک نہیں ہے۔

اس منہج کی سب سے پہلی خصوصیت توحید کا اہتمام ہے۔ اللہ تعالی کے لیے خالص توحید، جس کا کوئی ہمسر نہیں، کوئی شریک نہیں، کوئی اس کے جیسا نہیں، کوئی اس کی نظیر نہیں۔ اللہ نے فرمایا: ﴿وما أمروا إلا ليعبدوا الله مخلصين له الدين﴾ (البینۃ: ۵) ان لوگوں کو صرف اس بات کا حکم دیا گیا تھا کہ اللہ کی عبادت کریں، عبادت کو اس کے لیے خاص کرتے

ہوئے''۔اللہ سبحانہ نے یہ بھی فرمایا: ﴿ليس كمثله شيء وهو السميع البصير﴾ (الشوری:۱۱)اس کے جیسی کوئی شئی نہیں اوروہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

توحید کا جو بلند مقام ہے وہ تو اپنی جگہ ہے ہی،البتہ توحید کی حفاظت کرنا،اس کی شرائط اور تقاضوں کو پورا کرنا خاص طور پر عملی میدان میں اسے نافذ کرنا ان سب چیزوں سے زندگی کا سب سے عظیم مقصد پورا ہوگا۔اس لیے کہ شریعت مطہرہ کا سب سے عظیم مقصد یہی ہے کہ دین کی حفاظت کی جائے اور عقیدے کو ہر قسم کی مخالفت اور انواع واقسام کی شرک وبدعات اور خرافات سے محفوظ رکھا جائے۔

میرے موحد بھائیو! ان واضح خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہر چھوٹے بڑے معاملے میں علم اور بصیرت کے ساتھ قرآن وسنت کی طرف پلٹا جائے۔ ﴿فإن تنازعتم في شيء فردوه إلى الله والرسول إن كنتم تؤمنون بالله واليوم الآخر ذلك خير وأحسن تأويلا﴾ (النساء:۵۹) اگر کسی چیز کے بارے میں تمہارے درمیان نزاع ہو جائے تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو،اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔یہی انجام کے اعتبار سے سب سے بہتر اور سب سے عمدہ ہے۔

تشابہ کو محکم کی طرف اور مجمل کو مبین کی طرف لوٹا دیا جائے۔ظاہر نصوص اور مقاصد نصوص دونوں کی رعایت کی جائے۔معقول اور منقول دونوں کا لحاظ کیا جائے۔یہ سلف کے منہج اور ان کی زندگی کی ایک واضح خصوصیت ہے۔ہر وہ چیز جو کتاب وسنت کے موافق ہو اس کو انہوں نے باقی رکھا اور ہر وہ چیز جو قرآن وسنت کے خلاف ہوا سے انہوں نے باطل قرار دیا، وہ لوگ نص صحیح سے کبھی عدول نہیں کرتے تھے اور نہ ہی رائے اور عقل سے اس کا معارضہ کرتے تھے،اور نہ ہی نصوص وحی کے اوپر عقل کو حکم بناتے تھے،زبان حال سے وہ کہتے تھے:

تمسك بحبل الله واتبع الهدى — ولا تــك بـدعيــا لعــلك تفلـح
ودن بكتاب الله والسنن التي — أتت عن رسول الله تنجو تربح

اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور ہدایت کی اتباع کرو، بدعتی مت بنو، تاکہ تم کامیاب ہو، اللہ کی کتاب کو اور رسول اللہ ﷺ سے وارد سنتوں کو دین بناؤ، تم نجات پا جاؤ گے اور فائدے میں رہو گے۔

اسلامی بھائیو! ہمارے سلف صالحین کے منہج کی ایک قیمتی خصوصیت جو ان کا سب سے خاص شعار بلکہ ان کے روشن منہج کی ایک واضح نشانی بھی ہے، جماعت کو لازم پکڑے رہنا اور اس کے تقاضوں یعنی سمع واطاعت پر کاربند رہنا۔ ﴿واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا﴾ (آل عمران:۱۰۳) اللہ کی رسی کو مل کر تھام لو اور تفرقہ مت کرو۔ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ کی رسی جماعت ہے۔ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: میری امت گمراہی پر ہرگز اکٹھا نہیں ہوسکتی،تم لوگ جماعت کو لازم پکڑو، کیونکہ اللہ کا ہاتھ (مدد) جماعت کے ساتھ ہے۔(اس کو ترمذی نے روایت کیا)،ابن مسعودؓ سے یہ اثر ثابت ہے کہ انہوں نے لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے کہا: جماعت میں جس چیز کو تم لوگ ناپسند کرتے ہو وہ اس سے بہتر ہے جس کو تم لوگ اختلاف میں پسند کرتے ہو۔

امام طحاوی رحمہ اللہ نے فرمایا: ہم جماعت کوحق اور درست سمجھتے ہیں اور اختلاف کو کج روی اورعذاب سمجھتے ہیں۔شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: جماعت کومضبوطی سے پکڑے رہنااورآپس میں الفت رکھنا دین کے اصول میں سے ہے۔

سلف صالحین اوران کے طریقے پر چلنے والے لوگ جماعت اورحق پر ہوتے ہیں،آپس میں الفت رکھتے ہیں،اپنے امیر کو سنتے ہیں اوراطاعت کرتے ہیں اور یہ صرف اس لیے کرتے ہیں کہ شارع کا جومقصد ہے اس کی تابعداری ہو،یعنی مصالح کی تحقیق وتکمیل ہواور مفاسد کا خاتمہ ہو،اوران میں کمی آئے۔نیزمعصوم لوگوں کی جانیں محفوظ رہیں اوران کے خون کو حلال نہ سمجھا جانے لگے۔

اسلامی بھائیو!صحیح عقیدے کے حامل لوگو!واضح منہج پر چلنے والو!الفت اور جماعت کی اہمیت کوسمجھو،اللہ اوراس کے رسول کی اطاعت کرو: ﴿أطيعوا الله وأطيعوا الرسول ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ريحكم﴾ (الانفال:۴۶)اللہ اوراس کے رسول کی اطاعت کرواورآپس میں اختلاف مت کرو،ورنہ تم ناکام ہوجاؤگےاورتمہاری ساکھ اکھڑ جائے گی۔

وخير الأمور السالفات على الهدى وشـر الأمـور المحدثـات البدائع

بہترین کام وہ ہے جوہدایت کے مطابق ہواور بدترین کام دین میں نکالے گئے نئے نئے کام اور بدعتیں ہیں۔

میرے ہم عقیدہ بھائیو! یہ جودعوت ہے کہ سلف صالحین رضی اللہ عنہم کے فہم کی اتباع کی جائے اوران کے منہج پر چلا جائے،یہ دعوت پسماندگی اوررجعت پسندی کی دعوت نہیں ہے بلکہ یہ بلندترین منہج اوراعلی ترین طریقے کی دعوت ہے۔حق کو لازم پکڑنااورمخلوق کے ساتھ نرمی۔یہی دعوت سب سے زیادہ علم والی،سب سے مضبوط اورسب سے محفوظ دعوت ہے۔

حقیقت میں سلفیت کسی قسم کی گروہ بندی اورعصبیت کا نام نہیں ہے،نہ یہ کوئی الگ مذہب اورگروہ بنانے کا نام ہے، بلکہ یہ ایک منہج ہے جوطبعی طور پرتجدد پذیر ہے۔یہ ایک عقیدہ ہے جواسلام کے احکام اوراس کے مقاصد کے موافق ہے۔اسی طرح سلفیت کسی خاص شخصیت،جماعت یا شہر سے منسوب نہیں ہے۔یہ دعوت لوگوں کودور کرنے والے،تشدد کو پسند کرنے والےاورمفاہیم کوبدلنے والے مسالک سے بہت دور ہے۔

یہ ایک ہمہ گیر دعوت ہے تاکہ مصطفیٰ ﷺ کے طریقے کی اتباع کی جائے،ظاہری اور باطنی طور پراورآپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقے کی پیروی کی جائے۔ بدعات وخرافات سے، ہوی پرست اور گمراہوں سے دور رہا جائے۔

﴿والسابقون الأولون من المهاجرين والأنصار والذين اتبعوهم باحسان رضى الله عنهم ورضوا عنه﴾ (التوبۃ:۱۰۰)مہاجرین اورانصار میں سب سے پہلے جن لوگوں نے سبقت کی اورجن لوگوں نے ان کی اتباع کی،اللہ ان سے راضی ہوگیااوروہ بھی اللہ سے راضی ہوئے۔اس آیت کریمہ میں اس بات کی واضح دلیل ہے کہ سلف یعنی صحابہ کرام مہاجرین وانصار کے نقش قدم پرچلا جائے،اس لیے کہ یہی لوگ اس امت میں سب سے عادل،افضل اوراللہ کے دین کا سب سے زیادہ علم رکھنے والے ہیں۔عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں:تم میں سے جس کوپیروی کرنا ہووہ ان کی پیروی کرے جومر چکے، اس لیے کہ زندہ شخص کے فتنے میں پڑنے کے بارے میں اطمینان نہیں رہتا۔یہ لوگ محمد ﷺ کے صحابہ ہیں جوکہ اس امت میں سب سے نیک دل والے،سب سے گہرے علم والےاورسب سے کم تکلف والے ہیں،یہ وہ قوم ہے جن کواللہ نے اپنے نبی کی

صحبت کے لیےاوراپنے دین کوقائم کرنے کے لیےمنتخب کیا ہے،ان کی قدر کو پہچانو، یہ لوگ سیدھی ہدایت پر گامزن تھے۔امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے فرمایا: اللہ کے رسول ﷺ نے اورآپ کے بعد کے ولاۃ امراور خلفاء نے کچھ چیزوں کو جاری کیا ہے،ان کواپنانا اللہ کی کتاب کی اتباع ہےاور اللہ کی اطاعت کی تکمیل ہےاوراللہ کے دین کی طاقت ہے،کسی بھی مخلوق کو یہ حق نہیں کہ اس میں تغیر یا تبدیلی کرےاورنہ اس چیز کی طرف دیکھے جواس کے مخالف ہو، جواس کے مطابق ہدایت پا گیا وہی ہدایت یافتہ ہے،جس نے اس کے ذریعہ مدد طلب کی اسی کی مدد کی جائے گی اور جس نے اس کو چھوڑا اس نے مومنوں کے سوا دوسروں کے راستے کی اتباع کی اوراللہ نے اس کوادھر پھیر دیا جدھر وہ پھرا اوراس کو جہنم میں پہنچادیا اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔

امت اسلامیہ کے لوگو! اس بنیادی مفہوم کے اعتبار سے سلفیت ایک عقیدہ ہے،ایک منہج حیات ہے،کوئی بھی زمانہ یا علاقہ اس کے بغیر درست نہیں ہوسکتا۔شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اہل سنت والجماعت کا طریقہ یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے نقش قدم کی پیروی کی جائے ،ظاہری طور پر بھی اور باطنی طور پر بھی اورمہاجرین وانصار میں سابقین اولین کی اتباع کی جائے اوررسول اللہ ﷺ کی اس وصیت کی اتباع کی جائے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا: "عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين من بعدي تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ وإياكم ومحدثات الأمور فإن كل بدعة ضلالة". (رواہ ابوداود) میری سنت کواور میرے بعد ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑلو،اسے مضبوطی سے تھام لواوراپنے داڑھ کے دانتوں سے اس کو پکڑلواورنئے کاموں سے بچو، کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے۔ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی بات پوری ہوئی۔

لیکن ان سب کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ عصر جدید کے وسائل وآلات کو نہ اپنایا جائے ، زمانے کی ایجادات واختراعات سے استفادہ نہ کیا جائے،ان سے قدم سےقدم ملا کر نہ چلا جائے بلکہ ہونا یہ چاہیے کہ ثابت شدہ چیزوں اورتغیر پذیرچیزوں کے درمیان تناسب کالحاظ کیا جائے۔

امت اسلامیہ کے فرزندو! اس تابناک اور روز روشن کی طرح عیاں دعوت پر کسی انسان سے صادر ہونے والی لغزشوں اورحرکتوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا، کیوں کہ ہرایک کی بات قبول بھی کی جاسکتی ہےاورردبھی کی جاسکتی ہے،سوائے رسول ہدی نبی رحمت ﷺ کے۔

اسی طرح اس دعوت پران چیزوں سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا جواس کی طرف منسوب بعض متشدد یا متساہل لوگ انجام دیتے ہیں، اللہ کا دین غلواور جفا کے درمیان اعتدال کا نام ہے،اوراس طرح کی چیزوں کا ہرگز یہ تقاضا نہیں ہے کہ سلفیت کو مورد طعن بنایا جائے،اس کے علماء کو نشانہ بنایا جائے، اس کے اکابر کی تصنیفات پرطعن وتشنیع کی جائے اوران کتابوں کی عبارتوں کے سیاق وسباق سے غلط مفہوم مرادلیا جائے اوراپنی خواہشات کے مطابق استدلال کیا جائے۔بعض افراد کی خطااور بعض شرعی اصطلاحات کی فہم وتطبیق کے بارے میں انحراف کے لیے منہج اوراس کے اصول وضوابط کو ذمہ دار نہیں قرار دیا جاسکتا۔ہم حق پسند اورانصاف پسند لوگوں کو یہ دعوت بھی دیتے ہیں کہ اس قسم کی افواہوں پر ہرگز توجہ نہ دیں۔

مسلمان بھائیو! آج جب کہ ہم نئے ہجری سال کے دہانے پرکھڑے ہیں،یہ واضح دعوت ہم سے مطالبہ کرتی ہے کہ ہم

اللہ کے لیے یکسو ہوجائیں، اس کے دین کے لیے کھڑے ہوجائیں، اس کی شریعت کے لیے بیدار ہوجائیں، اس کے نبی کی سنت، صحابہ کرام کے طریقے اور اسلاف امت کے فہم کو مضبوطی سے اختیار کرلیں۔ اس صحیح منہج پر آپسی محبت اور بھائی چارہ کے ساتھ جمع ہوجائیں کیونکہ اس امت کے بعد کے لوگ اسی چیز سے درست ہوسکتے ہیں جس سے پہلے کے لوگ درست تھے۔

اس صحیح منہج سلفی منہج پر اللہ کا یہ فضل ہے کہ اللہ نے اس کے حق میں لکھ دیا ہے کہ یہ باقی رہے گا اور پھیلتا رہے گا، حالانکہ بہت ساری دعوتیں اور تحریکیں پیدا ہوتی اور ختم بھی ہوجاتی ہیں۔

ہمارا یہ مبارک ملک بلاد حرمین شریفین اپنی تابناک اسلامی تاریخ میں سلفی عقیدے اور اصلاحی تجدیدی دعوت سرفراز منتقل ہوا جس سے اس دین متین کو غالب ہونے اور پھلنے پھولنے کا موقع ملا اور یہ سب کج رو اور باطل پرست منہ زوروں سے ایک طویل کشمکش کے بعد ہوا جس کے نتیجے میں اللہ کے فضل سے یہ باطل پرست ذلت وخواری کے ساتھ ختم ہوگئے۔

انہی بابرکت اور پاکیزہ دعوتوں میں سے امام مجدد امام الدعوۃ شیخ محمد بن عبدالوھاب کی دعوت ہے۔ اللہ ان پر رحم کرے اور پاک ٹھکانے میں ان کو جگہ دے۔

قد قام فی الدنیا مقام هداية   يدعو الى التوحيد والايمان
وأضاء نورا لم يزل متألقا   يهـدى بـه لله كل أوان

وہ دنیا میں مقام ہدایت پر گامزن رہے، لوگوں کو توحید اور ایمان کی دعوت دیتے رہے، انہوں نے ایسی روشنی بکھیری جو آج بھی چمک رہی ہے اور ہمہ وقت اللہ کی طرف لوگوں کی رہنمائی کررہی ہے۔

امام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی دعوت ملت اور دین کے مندمل ہوچکے نشانات کے لیے ایک تجدیدی دعوت تھی، بعض مسلمانوں کے فاسد عقائد کی تصحیح کرنے والی دعوت تھی، اس دعوت نے بدعات وخرافات سے جنگ کی، شاذ اور گمراہ نظریات سے برسر پیکار رہی، یہ کسی نئے دین کی یا پانچویں مذہب کی دعوت نہیں تھی، بلکہ کتاب وسنت پر عمل کرنے کے سلسلے میں سیدالانبیاء، صحابہ کرام اور تابعین عظام کے طریقے کی عملی تصویر تھی، یہ دعوت تکفیری اصولوں سے اور خوارج کے خطرناک منہج سے پوری طرح بری ہے۔

اور باوجود اس کے کہ اس اصلاحی دعوت کو بہت سارے مزعومات اور الزامات کا سامنا کرنا پڑا اور اسے مسخ کرنے کے لیے ڈھیر ساری جھوٹی افواہیں پھیلائی گئیں اور باوجود اس کے کہ ہم صحیح معلومات کے زمانے میں جی رہے ہیں، جس میں حق اور حقیقت کی معرفت بہت حد تک ممکن ہے، لیکن آج بھی اس دعوت کو اور اس پر چلنے والوں کو ''وہابیت'' کے لقب سے پکارا جاتا ہے اور اس کے فرزندوں کے کان میں اکثر اس نام کے ذریعہ طعن وتشنیع کی آواز پڑ جاتی ہے، مگر اس سے اس دعوت کے حاملین کے اندر مزید حق پر اعتماد بڑھ جاتا ہے اور وہ اسے مضبوطی سے تھامے رہتے ہیں۔

بلاد حرمین شریفین اللہ اس کی حفاظت کرے، اسی اعتدال پر مبنی سلفی منہج پر چل رہا ہے، یہ منہج کتاب وسنت کے نور پر قائم ہے، یہ اس امت کے سلف صالح کا منہج ہے، یہ حق کو قبول کرتا ہے، خواہ کوئی بھی اس کو پیش کرے، یہ دیکھے بغیر کہ اس کی اصل کیا ہے، نسب کیا ہے، اس کی شکل وصورت کیسی ہے، بلاد حرمین اجتماعیت اور آپسی الفت کے لیے اپنے ہاتھ بڑھاتا ہے۔ تمام مسلمان ایک دوسرے کا تعاون کریں، اسلامی بھائی چارہ قائم ہو اور اختلاف وتفرقہ دور ہو۔ یہی بلاد حرمین کی دعوت ہے۔ ☆

حرمین شریفین

بلدِ حرام کے فضائل اوراس کے بعض احکام

(۲)

محمد اسلم مبارک پوری

۷-مسجد حرام میں نماز کے ثواب کی زیادتی:

بلاشبہ مسجد حرام پہلا وہ گھر ہے جولوگوں کے لیے جائے عبادت مقرر کیا گیا ہے۔اللہ تعالی نے اس میں نماز پڑھنے والوں کو یہ اعزاز بخشا ہے کہ ان نمازوں کا ثواب کئی گنا بڑھا دیتا ہے۔ یہ اللہ تعالی کی طرف سے، جواپنے مومن بندوں پر نہایت رحم کرنے والا ہے،اس باعزت گھر کے لیے ایک عظیم فضیلت ہے۔

پس خسارہ ہواس شخص کے لیے جومکہ میں رہے،اور خانہ کعبہ کے قریب رہے،اوراس کے لیے اجر مضاعفت اور خیر عظیم کا دروازہ وا رہے، پھر وہ اللہ تعالی کے فرائض کی ادائیگی سے اعراض کرے اور نماز میں کوتاہی کرے تو اس سے بڑھ کر خسارہ وندامت کیا ہوگی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "صلاة في مسجدي هذا خير من ألف صلاة فيما سواه إلا المسجد الحرام" (۱) میری مسجد (یعنی مسجد نبوی) میں ایک نماز کا ثواب مسجد حرام کے علاوہ باقی تمام مساجد کے مقابلہ میں ہزار گنا زیادہ ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "صلاة في مسجدي هذا أفضل من ألف صلاة فيما سواه إلا المسجد الحرام، وصلاة في المسجد الحرام أفضل من مائة صلاة فيما سواه" (۲) میری مسجد میں ایک نماز دوسری مسجدوں میں پڑھی جانے والی نمازوں کے مقابلہ میں ہزار نماز سے افضل ہے سوائے مسجد حرام کے، مسجد حرام میں ایک نماز دوسری مساجد میں پڑھی جانے والی نمازوں کے مقابلہ میں ایک لاکھ نماز سے افضل ہے۔

کیا نماز کی یہ فضیلت اور مضاعفت صرف مسجد حرام میں ہے، جو خانہ کعبہ سے گھرا ہوا ہے یا پورے حرم کو شامل ہے، اس میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے۔

(۱) صحیح بخاری، کتاب فضل الصلاۃ، باب فضل الصلاۃ فی مسجدی مکۃ والمدینۃ، حدیث نمبر:۱۱۸۸،صحیح مسلم، کتاب الحج، باب فضل الصلاۃ بمسجدی مکۃ والمدینۃ،حدیث نمبر:۱۳۹۴۔

(۲) اسے امام احمد نے مسند: ۳۴۳/۳، اور ابن ماجہ نے سنن (حدیث نمبر ۱۴۰۶) میں روایت کیا ہے۔شیخ البانی رحمہ اللہ نے صحیح سنن ابن ماجہ (حدیث نمبر ۱۱۵۵) میں صحیح کہا ہے۔

کچھ علماء نے اس مضاعفت (زیادتی اجر) کو مسجد حرام یعنی خانہ کعبہ سے گھری ہوئی عمارت کے ساتھ خاص کیا ہے، اور بعض علماء اس فضیلت کو تمام حرم میں عام سمجھتے ہیں۔ اکثر علماء نے یہی راجح قرار دیا ہے کہ نماز کی مضاعفت تمام حرم کو شامل ہے۔ یہی قول جلیل القدر تابعی امام عطاء بن ابی رباح کا ہے، جو اپنے زمانہ میں اہل مکہ کے امام تھے۔ ان سے ربیع بن صبیح نے سوال کیا، اور کہا کہ اے محمد (یہ امام عطاء کی کنیت ہے) یہ فضیلت جو ذکر کی جاتی ہے صرف مسجد حرام میں ہے یا تمام حرم میں؟ عطاء بن ابی رباح نے جواب دیا کہ: یہ فضیلت تمام حرم میں ہے، اس لیے کہ تمام حرم مسجد ہے۔(۱)

اس قول کے قائلین میں سے امام ابن قیم رحمہ اللہ بھی ہیں۔ اس موضوع پر انہوں نے زاد المعاد میں نفیس بحث کی ہے۔(۲) اور یہی جمہور علماء کی رائے ہے۔ اور اسی کو معاصر علماء میں سے شیخ عبد العزیز بن باز - رحمہ اللہ - نے راجح کہا ہے۔(۳) تاہم اس بارے میں ذرہ برابر شک نہیں کہ مسجد حرام، جو کعبہ کو محیط ہے، اس میں نماز پڑھنا افضل ہے جو نفس میں اطمینان، انشراح صدر، لوگوں کی کثرت، اور کعبہ سے قربت کی امنگ پیدا کرتا ہے۔ اور بعض اہل علم بلد حرام میں بالعموم مضاعفت حسنات کی طرف گئے ہیں۔ یہی امام احمد کا قول، اور امام نووی کا پسندیدہ قول ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ - رحمہ اللہ - فرماتے ہیں:

نماز اور دیگر عبادات مکہ سے قریب تر کرنا افضل ہے۔ اور اس جگہ کی ہمسائیگی، جہاں ایمان اور تقوی زیادہ ہوتا ہے، کئی اعتبار سے افضل ہے۔ اور فضیلت والی جگہوں اور زمانے میں نیکی اور برائی دوچند ہوتی ہے۔ اسی چیز کو قاضی ابویعلی اور ابن الجوزی نے بیان کیا ہے۔(۴)

۸- حرم میں الحاد کی حرمت:

اللہ تعالی نے قرآن پاک میں حرم مکہ میں الحاد کو حرام قرار دیا ہے۔ اور الحاد کرنے والوں کو زبردست رسوائی اور دردناک عذاب کی دھمکی دی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿إن الذين كفروا ويصدون عن سبيل الله والمسجد الحرام الذي جعلناه للناس سواء العاكف فيه والباد ومن يرد فيه بإلحاد بظلم نذقه من عذاب أليم﴾ (الحج: ۲۵) (ترجمہ) جن لوگوں نے کفر کیا، اور اللہ کی راہ سے روکنے لگے، اور اس حرمت والی مسجد سے بھی جسے ہم نے تمام لوگوں کے لیے مساوی کر دیا ہے، وہیں کے رہنے والے ہوں یا باہر کے رہنے والے ہوں۔ جو بھی ظلم کے ساتھ وہاں الحاد کا ارادہ کرے ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے۔

امام ابن جریر طبری نے کہا: مسجد حرام میں کسی ظلم کی طرف میلان کو 'الحاد' کہتے ہیں۔(۵)

(۱) مسند طیالسی، حدیث نمبر ۱۴۶۴۔ (۲) زاد المعاد: ۳/ ۳۰۳۔
(۳) مجموع فتاوی ابن باز: ۴/ ۱۳۰۔ (۴) الاختیارات الفقہیۃ ص ۱۱۳۔
(۵) تفسیر طبری: ۱۷/ ۱۰۳۔

اور بعض علماء نے اس کی تفسیر ''شرک'' سے کی ہے۔

اور بعض دوسرے علماء نے ''مسجد حرام میں حرام چیز کو حلال سمجھنے اور اس پر عزم مصمم کر لینے''،

اور بعض علماء نے مکہ میں ''غلہ جات کی ذخیرہ اندوزی'' سے کی ہے۔ان تمام اقوال کو ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے۔(۱)

الحاد ان منکرات اور ان کے علاوہ دیگر منکرات کو بھی شامل ہے،اور یہ تفسیر بالمثل کے قبیل سے ہے۔ظاہر قول یہ ہے کہ الحاد اللہ تعالی کی تمام معصیت میں عام ہے۔حافظ ابن کثیر- رحمہ اللہ- آیت بالا کی تفسیر میں سلف صالحین سے وارد آثار ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''یہ آثار اگرچہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ مذکورہ چیزیں الحاد میں سے ہیں،لیکن الحاد اس سے بھی عام ہے بلکہ آیت میں اس بات پر تنبیہ ہے جو اس سے بھی زیادہ شدید اور اہم ہے۔اسی لیے اصحاب فیل نے بیت اللہ کی تخریب کاری کا قصد کیا تو اللہ تعالی نے ان پر پرندوں کا جھنڈ بھیج دیا جو انہیں مٹی اور پتھر کی کنکریاں مار رہے تھے،اور انہیں کھائے ہوئے بھوسے کی طرح بنا دیا یعنی انہیں ہلاک و برباد کر دیا۔اور انہیں ان لوگوں کے لیے عبرت اور رسوائی کا ذریعہ بنا دیا،جو حرم میں کسی برائی کا قصد و ارادہ کریں''۔(۲)

علامہ شیخ عبد العزیز بن باز- رحمہ اللہ- رقم طراز ہیں:

''کلمۂ الحاد باطل کی طرف ہر میلان کو شامل ہے،خواہ یہ میلان عقیدہ میں ہو یا دوسری چیزوں میں ہو۔اس لیے اللہ تعالی نے آیت ﴿من يرد فيه بإلحاد بظلم نذقه من عذاب أليم﴾ (میں تمام کلمات (الحاد،ظلم،عذاب الیم) کو نکرہ ذکر کیا ہے۔اب جو کوئی شخص جیسا بھی الحاد کرے تو اسے اس وعید کی دھمکی دی گئی ہے''۔(۳)

نبی ﷺ نے حرم مکہ میں الحاد کی اس حرمت کی تاکید کی ہے۔اور بیان کیا ہے کہ الحاد کرنے والا اللہ تعالی کے نزدیک سب سے مبغوض شخص ہے۔حضرت عبد اللہ بن عباس- رضی اللہ عنہما- سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "أبغض الناس إلى الله ثلاثة: ملحد في الحرم، ومبتغ في الإسلام سنة الجاهلية، ومطلب دم امرئ بغير حق ليهريق دمه" (۴) اللہ تعالی کے نزدیک تین لوگ سب سے زیادہ مبغوض ہیں،حرم میں الحاد کرنے والا،اور مذہب اسلام میں جاہلیت کا طریقہ ڈھونڈھنے والا،اور ناحق کسی کا خون طلب کرنے والا تاکہ اس کا خون بہادے۔

امام مہلب وغیرہ نے کہا ہے:اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ یہ تینوں افراد گنہگاروں میں اللہ تعالی کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض ہیں۔تاہم یہ حدیث فرمان نبوی "أكبر الكبائر" (کبیرہ گناہوں میں سے سب سے بڑا گناہ) کی طرح

(۱) تفسیر طبری: ۱۰۴/۱۷۔ (۲) تفسیر ابن کثیر: ۲۱۵/۳۔

(۳) مجموع فتاوی ابن باز: ۳۹۰/۳۔ (۴) صحیح بخاری، کتاب الدیات، باب من طلب دم امرئ بغیر حق، حدیث نمبر: ۶۸۸۲۔

ہے۔اس لیے کہ شرک تو اللہ تعالی کے نزدیک تمام گناہوں سے زیادہ مبغوض ہے۔(۱)

صحابی جلیل حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حرم میں الحاد کرنے کو کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے۔امام طبری نے اپنی تفسیر میں طیسلہ بن علی نہدی سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا کہ میں عرفہ کی شام (یعنی نویں ذی الحجہ کی شام) کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا۔وہ اُراک (پیلو) کے درخت کے سایے تلے بیٹھے تھے۔اور اپنے سر اور چہرہ پر پانی بہا رہے تھے۔میں نے ان سے کبیرہ گناہوں کے بارے میں سوال کیا۔انہوں نے فرمایا کہ کبیرہ گناہوں کی تعداد نو ہے۔میں نے کہا: کون کون؟ انہوں نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا، پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانا۔

انہوں نے کہا: میں نے عرض کیا کہ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے کا ذکر قتل سے پہلے ہے؟

فرمایا: ہاں۔

اور مومن نفس کا قتل کرنا، میدان جنگ سے پیٹھ پھیر کر بھاگنا، جادو کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، مسلم والدین کی نافرمانی کرنا، اور خانہ کعبہ میں الحاد کرنا، جو ہمارے مردوں اور زندوں کا قبلہ ہے۔(۲)

قابل غور بات یہ ہے کہ آیت کریمہ میں ﴿عذاب أليم﴾ کی دھمکی اس شخص کو دی گئی ہے جس نے صرف گناہ کا قصد کیا ہے، اگر چہ اس پر عمل نہ کر سکا ہو۔اب جس نے حرم میں حقیقتاً الحاد کر دیا تو اس کا کیا حشر ہوگا؟ اس لیے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اگر کسی نے حرم میں الحاد کا قصد کیا، اور وہ شہر عدن میں ہے تو اللہ تعالی اسے ضرور دردناک عذاب چکھائے گا''۔(۳)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

''بعض اہل علم نے کہا ہے کہ جس نے مکہ میں کسی برائی کا ارادہ کیا، اللہ تعالی اسے اس ارادہ کی وجہ سے دردناک عذاب کا مزہ چکھائے گا۔اگر چہ اس نے اسے انجام نہیں دیا ہے۔اور حرم مکی کے علاوہ دوسری جگہوں میں اللہ تعالی قصد وارادہ پر سزا نہیں دے گا''۔(۴)

سماحۃ الشیخ علامہ ابن باز رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

---

(۱) فتح الباری: ۲۱۹/۱۲۔

(۲) اس لفظ کے ساتھ ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر ۲۶/۵ میں روایت کیا ہے۔نیز اسے امام بخاری نے ادب مفرد (حدیث نمبر ۸) میں صحیح سند سے روایت کیا ہے۔دیکھئے صحیح ادب مفرد ص ۳۵، حدیث نمبر ۸/۶، اور اس میں ''الحاد فی المسجد'' کا ذکر ہے، قبلہ کا نہیں۔

(۳) اسے امام احمد نے مسند ۴۲۸/۱ میں، طبری نے تفسیر ۱۰۴/۱۷ میں، اور حاکم نے مستدرک ۳۸۸/۲ میں روایت کیا ہے، اور اسے صحیح کہا ہے۔نیز اسے حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر ۲۱۵/۳ میں اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری ۲۱۹/۱۲ میں صحیح کہا ہے۔

(۴) تفسیر ابن کثیر: ۲۱۵/۳۔

''ان دلیلوں میں سے جو حرم میں کی جانے والی برائیوں کے بارے میں سخت وعید پر دلالت کرتی ہیں، اور یہ کہ حرم میں الحاد کی برائی بہت بڑی اور سخت ہے، اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: ﴿ومن يرد فيه بإلحاد بظلم نذقه من عذاب أليم﴾ (الحج:۲۵) یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ حرم میں برائی کرنا عظیم گناہ ہے یہاں تک کہ اس میں برائی کا قصد کرنے میں سخت وعید ہے۔ جب حرم میں الحاد کرنے والے کو عذاب الیم کی دھمکی دی گئی ہے، تو اس شخص کا کیا حال ہوگا جس نے حرم میں سیئات ومنکرات کے ذریعہ الحاد کا قصد کیا ہے۔ ایسی صورت میں اس کا گناہ صرف ارادہ کرنے والے کے گناہ سے بہت بڑا ہے۔ یہ تمام چیزیں ہمیں اس چیز کی رہنمائی کرتی ہیں کہ حرم میں برائی کرنے کا معاملہ بہت ہی خطرناک ہے''۔(۱)

خبردار!

ان منکرات وسیئات سے وہ شخص باز آجائے جسے اللہ تعالیٰ نے اس شہر میں سکونت کی عزت بخشی ہے۔ اوراس پر انعام کیا ہے، اوراس کے لیے اس شہر (مقدس) تک آنے کی تمام راہوں کو آسان فرمایا ہے۔ اے اللہ ہمیں اپنے گھر اور حرم کی بہترین ہمسائیگی کی توفیق دے۔

۹- مکہ میں قتل وخوں ریزی، اور باشندگان مکہ کو ایذاء رسانی کی حرمت:

یہ ایک عظیم مسئلہ ہے۔ اور بلد حرام کی حرمت کے اہم تقاضوں میں سے ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی تعمیر کے بعد اپنے پروردگار سے اس شہر اور باشندگان شہر کے لیے برکت کی دعائیں کی۔ بعض دعاؤں کا ذکر سابقہ صفحات میں گذر چکا ہے۔ اور حرم میں کتنی ایسی نشانیاں ہیں جو ہمیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یاد دلاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وقالوا إن نتبع الهدى معك نتخطف من أرضنا أولم نمكن لهم حرما آمنا يجبىٰ إليه ثمرات كل شيء رزقا من لدنا ولكن أكثرهم لا يعلمون﴾ (القصص:۵۷)(ترجمہ) کہنے لگے اگر ہم آپ کے ساتھ ہوکر ہدایت کے تابعدار بن جائیں تو ہم اپنے ملک سے آچک لیے جائیں۔ کیا ہم نے انہیں امن وامان اور حرمت والے حرم میں جگہ نہیں دی؟ جہاں تمام قسموں کے پھل کھچے چلے آتے ہیں، جو ہمارے پاس بطور رزق کے ہیں، لیکن ان میں سے اکثر کچھ نہیں جانتے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وإذ جعلنا البيت مثابة للناس وأمنا﴾ (البقرة:۱۲۵)(ترجمہ) ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لیے مرکز اور امن وامان کی جگہ بنائی ہے۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(۱) مجموع فتاوی ابن باز:۳/۳۸۹-۳۹۰۔

﴿والتين والزيتون، وطور سينين، وهذا البلد الأمين﴾ (التین:۱-۳)(ترجمہ) قسم ہے انجیر کی، اور زیتون کی، اور طور سینین کی، اور اس امن والے شہر کی۔

اللہ تعالی نے لوگوں پر اس احسان کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

﴿أولم يروا أنا جعلنا حرما آمنا ويتخطف الناس من حولهم﴾ (العنکبوت:۶۷)(ترجمہ) کیا یہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو باامن بنادیا ہے، حالانکہ ان کے اردگرد سے لوگ اچک لیے جاتے ہیں۔

امام قرطبی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: ''بیشک مکہ ظلم وستم کرنے والوں، زلزلوں اور دیگر بیماریوں سے جو عام شہروں میں پائی جاتی ہیں، ان سب سے ہمیشہ محفوظ، امن وامان اور حرمت والی جگہ رہی ہے۔ اور سرکش دلوں میں اس کی عظمت وہیبت بٹھادی گئی ہے، جس سے وہاں کے باشندگان امن وامان میں بنسبت دوسرے گاؤں اور شہر والوں سے ممتاز صفت رکھتے ہیں''۔(۱)

اس لیے مکہ میں بلاضرورت وحاجت اسلحہ اٹھانے سے منع کیا گیا ہے، چنانچہ مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے نبی ﷺ کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ کسی شخص کے لیے مکہ میں ہتھیار اٹھانا جائز نہیں ہے۔(۲)

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے کہا:

''یہ اہل علم کے نزدیک بغیر ضرورت وحاجت ہتھیار اٹھانے پر محمول ہے، اگر ضرورت ہے تو جائز ہے بقول قاضی عیاض۔ یہی امام مالک، امام شافعی اور عطاء کا مذہب ہے۔ اور حسن بصری نے اس حدیث کے ظاہری مفہوم سے استدلال کرتے ہوئے مکروہ کہا ہے۔(۳)

نبی ﷺ نے حرم میں قتال کرنے کی حرمت کی بہت تاکید کی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا ہے: ''لا يحل القتال بمكة'' مکہ میں قتال کرنا حلال نہیں ہے۔ حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے، آپ نے فرمایا: ''لا يسفك بها دما'' مکہ میں کوئی خون نہیں بہایا جائے گا۔

پھر امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی سابقہ حدیث ذکر کی ہے، اسی حدیث میں ہے: ''وإن هذا بلد حرمه الله يوم خلق السماوات والأرض، وهو حرام بحرمة الله إلى يوم القيامة'' (۴) بیشک اس شہر کو اللہ تعالی نے حرمت والا قرار دیا ہے جس روز سے زمین وآسمان کی تخلیق کی ہے۔ لہذا یہ شہر قیامت تک اللہ تعالی کے حرام کرنے کی وجہ سے حرام ہے۔

(۱) تفسیر قرطبی: ۲/۱۱۷۔ (۲) صحیح مسلم: کتاب الحج، باب النہی عن حمل السلاح بمکۃ، حدیث نمبر ۱۳۵۶۔

(۳) شرح مسلم نووی: ۹/۱۳۰۔

(۴) یہ حدیث کا ٹکڑا ہے، جسے امام بخاری نے کتاب جزاء الصید، باب لا یحل القتال بمکۃ (حدیث نمبر ۱۸۳۴) میں روایت کیا ہے۔

اللہ تعالی نے اپنے رسول ﷺ کو مکہ میں قتال کرنے کی اجازت نہیں دی ہے، مگر اس صورت میں جب کفار مسلموں سے قتال کی پیش قدمی کریں تو دفاع میں ان سے قتال کرنا جائز ہے۔ چنانچہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

﴿ولا تقاتلوهم عند المسجد الحرام حتى يقاتلوكم فيه، فإن قاتلوكم فاقتلوهم كذلك جزاء الكافرين﴾ (البقرۃ:۱۹۱) (ترجمہ) اور مسجد حرام کے پاس ان (کافروں) سے لڑائی مت کرو جب تک کہ یہ خود تم سے نہ لڑیں، اگر یہ تم سے لڑیں تو تم بھی انہیں مارو، کافروں کا یہی بدلہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ایسے ہی کیا ہے۔ آپ ﷺ نے ہر اس شخص کو امان دیا ہے جس نے ہتھیار ڈال دیا ہے، اسی بنیاد پر آپ ﷺ نے فتح مکہ کے دن مشرکین سے قتال نہیں کیا بلکہ ایک منادی کو باآواز بلند یہ پکارنے کے لیے بھیجا کہ جو شخص مسجد حرام میں داخل ہو جائے، وہ مامون ہے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو صرف اس شخص سے قتال کی اجازت دی ہے، جو ان سے قتال کرے، اور اپنے ہتھیار سے دعوت مبارزت دے۔

لہذا حرم کے باشندگان اور زیارت کرنے والوں پر واجب ہے کہ حرم میں لوگوں کو اذیت دے کر، اور ان کے درمیان خوف وہراس پھیلا کر حرم کی حرمت کو پامال نہ کریں، کیوں کہ یہ کبیرہ گناہ ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿فيه آيات بينات مقام إبراهيم ومن دخله كان آمنا﴾ (آل عمران:۹۷) (ترجمہ) اس گھر میں کھلی کھلی نشانیاں ہیں، مقام ابراہیم ہے، اس میں جو آجائے امن والا ہو جاتا ہے۔ یعنی جو بیت اللہ شریف میں داخل ہو گیا، اسے امان دینا، اور اذیت نہ دینا واجب ہے۔

اس آیت (بالا) کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر -رحمہ اللہ- فرماتے ہیں: یعنی جب خوف زدہ شخص حرم مکہ میں داخل ہو گیا، وہ ہر اذیت سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

مزید فرمایا: اور یہی معاملہ زمانہ جاہلیت میں بھی تھا۔(۱)

شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ سبحانہ وتعالی کا ارشاد ہے: ﴿ومن دخله كان آمنا﴾ جو حرم مکہ میں آجائے، واجب ہے کہ اسے امان دیا جائے۔ اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ اس میں کسی سے قتال نہ ہو اور نہ ہی کسی سے کوئی اذیت صادر ہو، بلکہ یہ چیز تو واقع ہوگی۔ تاہم مقصود یہ ہے کہ جو حرم میں آجائے اسے امان دینا، اور اس سے چھیڑ چھاڑ نہ کرنا واجب ہے۔ اور زمانہ جاہلیت میں بھی یہ چیز معروف تھی۔ چنانچہ آدمی اپنے باپ یا اپنے بھائی کے قاتل سے ملتا، اسے اذیت نہ دیتا یہاں تک کہ وہ حرم سے نکل نہ جائے۔(۲) (جاری)

☆☆☆

(۱) تفسیر ابن کثیر: ۱/۳۸۴۔ (۲) مجموع فتاوی ابن باز: ۱/۳۸۴۔

شخصیات

إمام دارالهجرة مالك بن أنس رحمه الله
اوران کی کتاب موطأ

مولانا محمد ایوب سلفی/ استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس (۲-۲)

امام مالک اور مدینۃ النبی ﷺ سے محبت:

امام مالک رحمہ اللہ مدینۃ النبی ﷺ سے غایت درجہ محبت کرتے تھے، آپ پوری زندگی مدینہ سے باہر نہیں نکلے، کبھی کبھار ہی صرف سفر پر نکلتے تھے۔ آپ کو نبی ﷺ سے بے حد محبت تھی اور آپ کے دل میں نبی کریم ﷺ کے احترام کا جذبہ اس قدر تھا کہ آپ مدینہ میں چلتے ہوئے سواری پر سوار نہیں ہوتے تھے کہ کہیں سوء ادب نہ لازم آجائے۔ (ترتیب المدارک:۱/۱۱۶)

موطأ امام مالک:

امام مالک رحمہ اللہ کی تصانیف میں سب سے اہم، معروف متداول اور معتبر موطأ ہے۔ ذیل میں اس کتاب کا تعارف قدرے تفصیل سے کرانے کی کوشش کی جارہی ہے۔

لفظ موطأ توطیۃ کا مفعول ہے، صاحب قاموس نے اس کا معنی روندنے، تیار کرنے اور نرم وسہل بنانے کے بیان کیے ہیں۔ موطأ کا لغوی معنی روندا ہوا، نرم وسہل بنایا ہوا ہے۔ یہ معانی بطور استعارہ کے یہاں مراد لیے جاسکتے ہیں۔ (القاموس:۱/۲۲)

شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ (م ۱۱۷۶ھ) فرماتے ہیں: ''موطأ کا لغوی معنی روندا ہوا یا چلا ہوا اور مجازی معنی جس پر عام ائمہ اور علماء اور اکابر چلے ہوں اور جس کو ان سب کی رایوں نے روندا اور پامال کیا ہو۔ یعنی سب نے اس کے متعلق گفتگو کی ہو اور اس سے اتفاق کیا ہو، اس طرح گویا اس کا معنی ''متفق'' اور مطابق کے ہے، چونکہ تمام شیوخ حدیث نے اس سے اتفاق اور موافقت کی، اس لیے اس کا نام موطأ مشہور ہوگیا''۔ (مقدمہ مسوی از شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ، ص:۶)

مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ ۱۳۷۳ھ فرماتے ہیں: ''موطأ اس راستہ کو کہتے ہیں جس پر لوگ بکثرت گزرتے ہیں، سنت کے معنی بھی راستہ کے ہیں، جس پر آنحضرت ﷺ گزرے اور تمام صحابہ گزرے۔ غرض موطأ کا لفظ اپنی حقیقت کا آپ مفسر ہے کہ یہ ان مسائل پر مشتمل ہے جن پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل رہا ہے اور جمہور سلف جن پر چلے ہیں۔ (حیات موطأ امام مالک، ص:۸۷)

موطأ دراصل کتب خانۂ اسلام کی وہ پہلی کتاب ہے، جو قرآن مجید کے بعد سب سے پہلے باقاعدہ طور پر فقہی ترتیب

سے مبوب و مرتب ہوکر منصۂ شہود پر آئی اور یہ ان احادیث نبویہ کا مجموعہ ہے، جنہیں امام دارالہجرۃ مالک بن انس نے جمع کیا ہے۔ امام مالک کے عہد میں فقہ و حدیث کی تدوین کا آغاز ہو چکا تھا، خود مدینہ منورہ میں بعض علماء کو یہ احساس ہوا کہ ان اسلامی احکام و مسائل کو جن پر اہل مدینہ کا اتفاق ہے، ایک کتاب میں جمع کر دیا جائے۔ چنانچہ امام مالک کے معاصر اور قدیم ہم درس عبدالعزیز بن عبداللہ بن ابی سلمہ الماجشون نے ایسی کتاب مرتب کی تھی مگر اس کتاب میں احادیث نبویہ نہیں لکھی گئی تھیں بلکہ انھوں نے اپنی طرف سے مدنی فقہاء کے متفقہ احکام و مسائل کو قلم بند کیا تھا، جب امام مالک کو اس کتاب کی اطلاع ملی تو آپ نے اس کو پسند فرمایا اور سراہا اور کہا کہ اگر میں ایسی کتاب لکھتا تو اس کی ابتداء احادیث نبویہ سے کرتا، پھر اپنی رائے بیان کرتا، آپ نے دل میں عزم کرلیا اور لکھنا شروع کر دیا اور اپنے عزم و ارادہ کے مطابق احادیث نبویہ کے ساتھ فقہی مسائل اور علمائے مدینہ کے احکام و فتاوی کو بھی شامل کیا اور اس کام کو ایک لمبی مدت میں مکمل کیا، جس وقت امام مالک موطأ لکھ رہے تھے تو آپ کو بتایا گیا کہ آپ نے ایسے وقت میں اپنی کتاب مرتب کرنا شروع کیا ہے کہ اس طرح کا کام اور لوگ بھی کر رہے ہیں، آپ نے کہا کہ ان کی کتابیں میرے پاس لاؤ تو موطأ جیسی اور کتابیں جو اس وقت لکھی جارہی تھیں، امام مالک کے پاس لائی گئیں، آپ نے انھیں دیکھا پھر کہا کہ تم لوگ عنقریب جان لوگے کہ جو کام اللہ کی رضاء کے لیے کیا جاتا ہے اس کو بقاء اور دوام حاصل ہوتا ہے۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ وہ ساری کتابیں کنوئیں میں ڈال دی گئیں، ان کا کوئی ذکر نہیں ہے اور جب بھی موطأ کا ذکر آتا ہے تو امام مالک کا ضرور نام لیا جاتا ہے''۔ (الامام مالک بن انس امام دارالہجرۃ، ص: ۱۰۴-۱۰۵)

زمانۂ تالیف:

یہ بات مسلم ہے کہ موطأ کی تالیف مدینہ میں ہوئی، اس لیے کہ امام مالک تمام عمر مدینہ ہی میں رہے، زمانۂ تالیف کی صحیح طور پر تعیین مشکل ہے، لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ موطأ کی تالیف کا زمانہ ۱۳۰ھ تا ۱۴۰ھ کے درمیان ہے۔ ۱۳۰ھ میں خلافت بنوامیہ کا زوال شروع ہوا، اس سے پہلے تصنیف و تالیف کا باضابطہ مشغلہ نہ تھا۔ ۱۴۴ھ میں منصور نے آخری حج کیا، اس وقت موطأ منصۂ شہود پر آچکی تھی، اس لیے موطأ کا زمانۂ تالیف ان دونوں کا درمیانی زمانہ قرار دیا جاسکتا ہے'' (کاروان حدیث از عبدالرشید عراقی، ص: ۳۴)

موطأ علماء کی نظر میں:

موطاء امام مالک حدیث و فقہ کی وہ کتاب ہے جسے اکابر علماء و ائمہ کی تائید و توفیق حاصل ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''کتاب اللہ کے بعد موطأ امام مالک سے نفع بخش کتاب روئے زمین پر نہیں ہے''۔ (تزئین الممالک، ص: ۴۳)

امام ابن عساکر صاحب ''تاریخ دمشق'' نے موطأ کی فضیلت میں ''کشف المغطا فی فضل الموطأ'' نامی ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ علامہ ابوبکر ابن العربی فرماتے ہیں: ''الموطأ هو الأصل الأول واللباب و كتاب البخاري هو الأصل الثاني في هذا الباب وعليهما بني الجميع كمسلم والترمذي'' یعنی موطاء ہی نقش اول اور بنیادی کتاب ہے، بخاری کی حیثیت اس باب میں نقش ثانی کی ہے اور انھیں دونوں کتابوں پر مسلم و ترمذی جیسے بعد کے مؤلفین نے اپنی کتابوں کی بنیاد رکھی ہے''۔ (دیکھئے: اوجز المسالک ۱/ ۱۹)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''محدثین کا اتفاق ہے کہ اس کتاب کی تمام روایات مالک اوران کے موافقین کی رائے کے مطابق صحیح ہیں اور دوسروں کی رائے بھی اس سلسلہ میں یہی ہے کہ موطأ کی مرسل ومنقطع روایات کی سند دوسرے طرق سے متصل ہیں۔ پس اس میں کوئی شبہ نہ رہا کہ اس اعتبار سے وہ سب صحیح ہیں۔ (حجۃ اللہ البالغہ ۱/۱۲۳)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ ایک اور موقع پر فرماتے ہیں کہ: ''امام مالک کی حیات ہی میں یہ کتاب پوری دنیائے اسلام میں مشہور ہوگئی تھی، جتنا زمانہ گزرتا گیا اس کی شہرت میں اضافہ ہوتا گیا اور لوگوں نے اس کی طرف زیادہ توجہ دی، اس مقدس کتاب کی منفرد خصوصیت یہ ہے کہ سلاطین زمانہ مہدی، ہادی، رشید، مامون اور امین جیسے مشاہیر خلفائے اسلام نے عراق سے حجاز تک اس کی پذیرائی کی''۔ (دیکھئے: مقدمہ مسوی شرح موطأ)

موطأ کا کتب حدیث میں مقام:

بلاشبہ موطأ احادیث وآثار اور فقہ امام مالک کا بہترین مجموعہ ہے اور یہ وہ پہلی کتاب ہے جس نے بعد میں آنے والی کتب حدیث کے لیے راستہ ہموار کیا، اس کتاب کی تدوین میں امام مالک نے ایک نرالا طریقہ اختیار کیا ہے، آپ نے اس کتاب کو فقہی ابواب پر مرتب کیا ہے، اس سلسلے میں آپ مختلف مسائل کو ثابت کرنے کے لیے مرسل وموقوف احادیث بھی بکثرت بیان کرتے ہیں نیز فقہی مسائل کی تفصیل کے لیے صحابہ کرام کے فتاوی کا بھی بکثرت حوالہ دیتے ہیں، اور بعض احادیث کو سند کے بغیر بھی روایت کرتے ہیں، جنہیں بلاغات کہا جاتا ہے۔ (مقدمہ موطأ امام مالک مترجم از پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر، ص: ۵۸-۵۹)

سید محمد بن جعفر الکتانی محدث مالکی موطأ کا دیگر کتب حدیث میں درجہ متعین کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''موطأ مالك في الرتبة بعد مسلم على ما هو الأصح'' صحیح ترین قول کے اعتبار سے موطأ مسلم کے بعد ہے۔ (دیکھئے: الامام مالک بن انس امام دارالہجرۃ، ص: ۱۲۵)

امام شافعی وغیرہ کا موطأ کو روئے زمین کی کتاب اللہ کے بعد سب سے صحیح کتاب قرار دینا تو اس سلسلہ میں علماء کا کہنا ہے: ''انما قال ذالك قبل وجود كتاب البخاري و مسلم'' امام موصوف کا یہ قول بخاری ومسلم کی کتابوں کو عالم وجود میں آنے سے پہلے کا ہے۔ (مقدمہ موطاء امام مالک مترجم از پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر، ص: ۵۸، مطبوعہ مکتبہ الفہیم، مئو)

مولانا ضیاء الدین اصلاحی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''موطأ کو سب سے بڑا شرف یہ بھی حاصل ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھ میں کلام اللہ کے بعد جو کتاب آئی وہ کلام الرسول کا یہی أصح ترین مجموعہ تھا''۔ (تذکرۃ المحدثین ۱/۴۹)

موطأ کی روایات:

ابتداء میں موطأ کے اندر دس ہزار احادیث تھیں مگر امام مالک رحمہ اللہ نے ان سب کو کتاب سے نکال دیا۔ عتیق بن یعقوب الزبیری کا قول ہے کہ ''امام مالک نے موطأ میں تقریبا دس ہزار حدیثیں رکھی تھیں، ان میں وہ ہر سال غور کرتے رہے اور ان میں سے حدیثیں نکالتے رہے۔ ابوبکر الابھری رحمہ اللہ کے شمار کے مطابق اب موطأ میں احادیث نبویہ اور آثار صحابہ و

تابعین کی کل تعداد سترہ سوبیس ہے۔

مسند مرفوع:	۶۰۰
مرسل:	۲۲۲
موقوف:	۶۱۳
تابعین کے اقوال وفتاوی:	۲۸۵
کل میزان:	۱۷۲۰

(الامام مالک بن انس،ص:۱۲۰-۱۲۱)

موطأ امام مالک کی چند خصوصیات:

- موطأ ایک ایسے مجتہد فقیہ اور عالم کی تصنیف ہے جو ایک عظیم فقیہ ہونے کے ساتھ ایک عظیم محدث بھی تھے اور جن کی امامت وفقاہت اور فن حدیث میں مہارت کی شہادت بڑے بڑے علماء وفقہاء نے دی ہے۔
- موطأ حدیث کے ساتھ فقہ کی بھی کتاب ہے اور یہ کتاب فقہی ابواب پر مرتب ہے اور اس میں صرف احکام سے متعلق احادیث وآثار ہیں۔
- موطأ میں کوئی موقوف صحابی یا اثر تابعی نہیں ہے جس کا ماخذ کتاب وسنت نہ ہو۔
- سبقت کے اعتبار سے بھی اس کو خصوصیت حاصل ہے۔

موطأ امام مالک کی ایک بڑی خصوصیت کا تذکرہ مولانا ضیاء الدین اصلاحی رحمہ اللہ نے تزیین الممالک،ص:۲۶ کے حوالہ سے کچھ یوں کیا ہے: ''سلاطین اور خلفائے اسلام میں سیکڑوں ایسے گزرے ہیں جو صاحب سیف وقلم تھے، جن کے نام سے تخت ومنبر دونوں عزت پاتے تھے، لیکن کسی کے متعلق ذکر نہیں ہے کہ اس نے طلب علم واخذ سند کے لیے کوئی سفر کیا ہو کیونکہ خود ان کا دربار اساتذہ کا مرکز اور علماء کا مرجع ہوتا تھا، تنہا امام مالک کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ ان کی کتاب ''موطأ'' کے لیے مہدی، ہادی، رشید، مامون اور امین جیسے مشاہیر خلفائے اسلام نے عراق سے حجاز تک کا سفر کیا اور آخر میں چھٹی صدی میں بزرگ ترین سلطان اسلام صلاح الدین ایوبی فاتح بیت المقدس نے قاہرہ سے اسکندریہ تک صرف اسی کی خاطر سفر گوارا کیا''۔(منقول از تذکرۃ المحدثین ۱/۵۲)

موطأ کے نسخے:

تعداد کے اختلاف اور احادیث کی کمی بیشی کے اعتبار سے موطأ کے سولہ جداگانہ نسخے ہیں، ان میں ابواب کی ترتیب میں بھی فرق ہے، تاہم اکثر احادیث یکساں ہیں، موطأ امام مالک کا جو نسخہ آج کل رائج ہے اور مطبوعہ حالت میں دستیاب ہے وہ امام مالک کے ممتاز شاگرد یحیي بن یحیي مصمودی لیثی اندلسی کا ترتیب دیا ہوا ہے، وہ شمالی افریقہ کے بربر نسل سے تھے اور وہیں کے رہنے والے تھے، تعلیم حاصل کرنے کے بعد اندلس گئے اور وہاں موطأ کا درس دیا، ان کی پیدائش ۱۵۲ھ میں اور وفات قرطبہ میں ۲۳۴ھ میں ہوئی۔ وہ اندلس کے قاضی القضاۃ تھے، اندلس کے حکام ان کے زیر اثر تھے اور اندلس کے تمام قاضی

انھیں کے مشورے سے مقرر ہوتے تھے۔

موطأ امام مالک کا دوسرا نسخہ ان کے مصری شاگرد عبداللہ بن وھب کا ترتیب دیا ہوا ہے۔ یہ امام مالک کے قدیم شاگرد تھے اور بیس سال تک آپ کی صحبت میں رہے، انھوں نے مصر میں مالکی فقہ کو رواج دیا اور فقہ مالکی کی تدوین میں اہم کردار ادا کیا۔ ان کی وفات ۱۹۷ھ میں ہوئی۔

امام مالک کے تیسرے شاگرد کا نسخہ اس لحاظ سے مشہور ہے کہ اس میں بقول ابن حزم ایک سو احادیث زائد ہیں۔ (مقدمہ موطأ امام مالک مترجم،ص:۶۱)

موطأ کی شروحات:

موطأ امام مالک کی ایسی کتاب ہے کہ اس کی طرف بے شمار علماء وفقہاء نے توجہ دی ہے اور اس کتاب کی شرح لکھنے اور اس پر تعلیقات وحواشی لکھنے، اس کے غریب الفاظ کی تشریح کرنے، اس کے رجال کی تجرید اور اس کتاب کی اہمیت وفضیلت بیان کرنے کا خاص اہتمام کیا ہے۔ ذیل میں موطأ کے صرف چند مشہور ومتداول شروحات کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔

۱–	تنويرالحوالك	علامه جلال الدين سيوطى
۲–	كشف الخفاء في شرح المختصر الموطأ	إبن فرحون
۳–	المسوى (عربى)	شاه ولى الله محدث دهلوى
٤–	مصفى (فارسى)	شاه ولى الله محدث دهلوى
٥–	التمهيد	إبن عبدالبر
٦–	الاستذكار	إبن عبدالبر
۷–	القبس	قاضى ابوبكر ابن العربى
۸–	شرح الزرقانى على موطأ الإمام مالك	إمام زرقانى
۹–	المنتقى	قاضى ابوالوليد الباجى
۱۰–	الاقتضاب فى غريب الموطأ واعرابه على الأبواب	أبوعبدالله محمد بن عبدالحق تلمسانى
۱۱–	الموهب	أبوالوليد بن الصفار
۱۲–	المقتبس	أبو محمد بن السميد بطليوسى
۱۳–	أوجز المسالك إلى موطأ إمام مالك	علامه شيخ محمد زكريا حنفى

ان کے علاوہ بھی بہت ساری عربی وفارسی میں شروحات موطأ موجود ہیں۔ ہندوستان وپاکستان میں بہت سارے علماء وفضلاء نے موطأ کے اردو ترجمہ کا بھی خاص اہتمام کیا ہے۔

امام مالک کی طرف منسوب کچھ دوسری تصانیف:

امام مالک رحمہ اللہ کی طرف منسوب بعض تصانیف درج ذیل ہیں:

١- رسالة مالك إلى الرشيد
٢- أحكام القرآن
٣- المدونة الكبرى
٤- رسالة مالك إلى ابن المطرف
٥- رسالة مالك إلى ابن وهب
٦- كتاب الأقضية
٧- كتاب المناسك
٨- تفسير غريب القرآن
٩- تفسيرالقرآن
١٠- كتاب المسائل
١١- كتاب المجالسات عن مالك

مذکورہ بالا تصانیف کا ذکر امام مالک رحمہ اللہ کے اکثر سوانح نگاروں نے کیا ہے۔

امام مالک کا موت کے وقت اظہار ندامت:

ایک سچا مومن، متقی، عالم دین اور مخلص انسان جب محسوس کرتا ہے کہ اس کی موت کا وقت قریب ہو رہا ہے تو وہ اپنے پچھلے اعمال کا محاسبہ کرتا اور اپنی کوتاہیوں پر ندامت کا آنسو بہاتا ہے، امام مالک رحمہ اللہ کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ انھوں نے اپنی زندگی میں اپنی رائے اور اجتہاد سے جو فتوے دیئے تھے ان کو یاد کر کے افسوس کرنے لگے۔ جب کہ آپ کا یہ طریقہ تھا کہ آپ سے جب سوال کیا جاتا تو اکثر مسائل میں ''لا أدري'' کہہ دیتے۔ ہیثم بن جمیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''میں نے سنا امام مالک رحمہ اللہ سے اڑتالیس (۴۸) مسئلے پوچھے گئے آپ نے ان میں سے بتیس (۳۲) مسائل کا جواب ''لا أدري'' سے دیا۔ (سیر اعلام النبلاء ۸/ ۷۷)

مسائل کے جواب دینے میں امام مالک رحمہ اللہ کا ''لا أدري'' کہنا معروف ہے، آپ کے اکثر شاگردان اس کی شہادت دیتے ہیں۔ اس قدر احتیاط برتنے کے باوجود آپ نے اپنی رائے واجتہاد سے کچھ فتوے دیئے۔ آخری عمر میں ان پر آپ اس قدر نادم تھے کہ موت کے وقت رونے لگے۔ امام قعنبی رحمہ اللہ آپ کے متعلق بیان فرماتے ہیں: ''میں اپنے استاذ امام مالک رحمہ اللہ کے پاس ان کی موت کے وقت گیا، سلام کیا اور بیٹھ گیا، میں نے دیکھا کہ امام صاحب رو رہے ہیں، میں نے پوچھا اے ابوعبداللہ! آپ کیوں رو رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اے قعنب کے بیٹے! میں کیوں نہ روؤں، مجھ سے زیادہ رونے کا مستحق کون ہے، میں نے اپنی رائے اور اجتہاد سے جو فتوے دیئے کاش ان فتوؤں پر مجھے کوڑے لگائے جاتے، میرے پاس فتوی نہ دینے کی گنجائش تھی، کاش میں اپنی زبان بند کیے رہتا اور فتوی نہ دیا ہوتا۔ (دیکھئے: وفیات ۱/ ۵۵۶، ترتیب المدارک از قاضی عیاض ۱/ ۱۵۲)

مرض ووفات:

امام مالک رحمہ اللہ آخری عمر میں تقریبا ۲۲/ دنوں تک بیمار رہے، کون سی بیماری تھی اس کا ذکر کسی نے نہیں کیا ہے۔ بروز اتوار ۱۰/ ربیع الاول ۱۷۹ھ کو آپ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ امیر مدینہ عبداللہ بن محمد بن ابراہیم نے پیدل چل کر آپ کے جنازہ میں شرکت کی، جنازے کو کندھا لگایا اور نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کو مدینہ کی مشہور قبرستان بقیع میں دفن کیا گیا، صحیح قول کے مطابق وفات کے وقت آپ کی عمر ۸۷/ سال کی تھی۔ اللہ آپ کو غریق رحمت کرے، آمین۔ ☆☆

عبادات

نماز باجماعت کے فوائد

تحریر: الشیخ ابوعبداللہ مسند بن محسن القحطانی
ترجمہ: محبوب عالم سمیع اللہ مدنی

باجماعت نماز ادا کرنا ہی آپ ﷺ کی سنت کی اتباع، اس کے سبب اللہ کی ہدایت اور گناہوں کی مغفرت کا حصول:

نماز باجماعت میں اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کی بجا آوری، نیز آپ ﷺ کی قولی وفعلی سنتوں کی اتباع ہوتی ہے، کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے نماز کو باجماعت قائم کرنے اور اس کی طرف دوڑ پڑنے کا حکم فرمایا ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’جس کسی نے اذان کی آواز سنی پھر بھی جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کے لیے مسجد میں حاضری نہ دی، اس کی نماز نہیں، مگر کسی عذر کے باعث‘‘۔ (ابوداؤد نے اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے، نیز ان دونوں کے علاوہ محدثین نے بھی اس کی روایت کی ہے، دیکھئے: صحیح الجامع: ۶۳۰۰)

نیز آپ ﷺ کا دوسرا فرمان ہے: ’’جب تین مسلمان آدمی کسی جگہ جمع ہوں، تو چاہیے کہ ان میں سے ایک ان کی امامت کرائے اور ان میں سے امامت کا سب سے زیادہ حقدار وہ شخص ہے جو قرآن کا سب سے زیادہ پڑھنے والا ہو‘‘۔ (صحیح مسلم شرح نووی کے ساتھ ۱۷۲/۵)

اسی طرح نماز باجماعت جیسی عظیم عبادت اور اس کے علاوہ دوسری عبادتوں میں رسول کریم ﷺ کی اتباع کرنا ہمارے لیے ہدایت، اللہ کی محبت اور ہمارے گناہوں کی مغفرت نیز جہنم سے ہماری نجات اور دخول جنت کے اسباب میں سے ہے۔

اللہ جل شأنہ کا ارشاد ہے: ﴿وَإِن تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا﴾ ترجمہ: (اور اگر اس کی اطاعت کرو گے تو ہدایت یافتہ ہو جاؤ گے)۔ (سورہ نور: ۵۴)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مزید ارشاد فرمایا: ﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ ترجمہ: (اے نبی کریم ﷺ آپ فرما دیجئے: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو، تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے) (سورہ آل عمران: ۳۱)

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’میری ساری امت جنت میں داخل ہوگی مگر جس نے انکار کیا، جس نے میری اطاعت کی جنت میں داخل ہوا اور جس نے نافرمانی کی اس نے انکار کیا‘‘۔ (صحیح بخاری مع فتح الباری ۲۴۹/۱۳)

آپ ﷺ نے مزید فرمایا: ’’منافقوں کے لیے سب سے بوجھل نماز، عشاء اور فجر کی نماز ہے، اور اگر انھیں ان کے اندر پائے جانے والے اجر وثواب اور خیر وبرکت کا صحیح علم ہو جائے تو ان میں ضرور حاضر ہوں گے، خواہ گھسٹتے ہوئے کیوں نہ آنا پڑے، نیز میں نے یہ سوچا کہ نماز کی اقامت کا حکم دوں، پھر کسی آدمی کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے پھر میں لکڑیوں کے گٹھر کے ساتھ چند آدمیوں کو لے کر ان لوگوں کے گھر جاؤں جو نماز باجماعت کے لیے حاضر نہیں ہوتے اور ان کے گھروں کو جلا کر راکھ کردوں‘‘۔ (اس کی روایت مسلم وغیرہ نے کی ہے، مختصر صحیح مسلم: ۳۲۵)

نماز باجماعت اسلام کے سب سے عظیم مقاصد میں سے ہے:

عمومی طور پر نماز باجماعت اسلام کے عظیم مقاصد میں سے ایک ہے، اسی لیے کتاب وسنت میں بہت سے ایسے نصوص وارد ہوئے ہیں جو جماعت اوراس کے التزام پر ابھارتے ہیں اور افتراق نیز مسلمانوں کو جماعت سے دوری اختیار کرنے سے روکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿و أقيموا الصلاة و آتوا الزكاة واركعوا مع الراكعين﴾ ترجمہ:(اور نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو)۔ نیز نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:''اللہ کا ہاتھ جماعت کے ساتھ ہے''۔(صحیح سنن الترمذی:۱۷۶۰)

نماز سے اللہ تعالیٰ کے شعائر کا اظہار اوراس کی تعظیم ہوتی ہے:

نماز باجماعت کے ذریعہ اسلام کے شعائر، بلکہ اس کے سب سے عظیم شعائر میں سے ایک شعیرہ کی تعظیم اور اظہار ہوتا ہے اور وہ نماز ہے۔

اپنے شعائر کی تعظیم کرنے والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿ذَلِکَ وَمَن يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِن تَقْوَى الْقُلُوبِ﴾ (ترجمہ: یہ سن لیا، اب اور سنو، اللہ کی نشانیوں کی جو عزت وتعظیم کرے تو یہ اس کے دل کی پرہیزگاری کے سبب ہے) (الحج:۳۲)

کسی عرب شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

إليك اعتذاري من صلاتي قاعدا
وعجزي عن سعي إلى الجماعات
وتركي صلاة الفرض فى كل مسجد
تجمع فيه الناس للصلوات
فيارب لا تمقت صلاتي و نجني
من النار واصفح لي عن الهفوات

ترجمہ: الٰہی میں تیرے حضور معذرت پیش کرتا ہوں، بیٹھ کر نماز پڑھنے پر اور جماعت میں شرکت کے لیے چلنے سے عاجز ہونے پر اور ہر ایسی مسجد، جس میں لوگ نمازوں کے لیے جمع ہوتے ہیں، اس میں نماز فرض کی ادائیگی ترک کرنے پر، تو اے میرے پروردگار میری نماز سے ناراض نہ ہو، اور مجھے جہنم سے نجات عطا فرما اور میری لغزشوں سے درگذر فرما۔

نماز باجماعت ہدایت کے طریقوں میں سے ہے:

نماز باجماعت ہدایت یابی کے ان طریقوں میں سے ہے جس کی اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں تعلیم دی ہے، اور جس کا ترک کرنا ضلالت ومنافقت ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:''جسے اس بات پر شادمانی ہو کہ کل کے دن اللہ تعالیٰ سے اس کی ملاقات بحالت اسلام ہو تو اسے چاہیے کہ ان نمازوں کی ادائیگی پابندی کے ساتھ اسی جگہ کرے، جہاں سے ان کے لیے ندا دی جاتی ہے، یعنی مساجد میں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کے لیے ہدایت کے طریقے مشروع فرمائے

ہیں، اور اگر تم نے نمازوں کی ادائیگی اپنے گھروں میں کیا جیسے کہ یہ متخلف (پیچھے رہ جانے والا) اپنے گھر میں پڑھتا ہے تو یقینی طور پر تم نے اپنے نبی کی سنت ترک کر دیا ہے اور اگر تم نے اپنے نبی کی سنت کو ترک کر دیا تو تم گمراہ ہو گئے، اور کوئی بھی آدمی جب وضو کرتا ہے اور اچھی طرح کرتا ہے، پھر ان مساجد میں سے کسی مسجد کا قصد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر قدم کے بدلے ایک نیکی لکھتا ہے، نیز ایک درجہ بلندی عطا فرماتا ہے اور ایک گناہ صغیرہ معاف فرماتا ہے، اور یقیناً ہمارے مشاہدے کے مطابق جماعت سے صرف وہی منافق پیچھے رہتا ہے جس کا نفاق ظاہر و باہر ہو، اور بلاشبہ جماعت کی اسی اہمیت کے پیش نظر کمزور آدمی کو دو لوگوں کے درمیان سہارا دے کر لایا جاتا یہاں تک کہ صف میں کھڑا کر دیا جاتا''۔

اور ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ: ''بے شک اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں ہدایت کے طریقے سکھائے اور انہیں سنن ہدایت میں سے یہ ہے کہ نماز اس مسجد میں ادا کی جائے جس میں اذان دی جاتی ہے''۔ (صحیح مسلم مع شرح نووی: ۵/۱۵۶)

نماز باجماعت تنہا شخص کی نماز سے افضل ہے:

نماز باجماعت تنہا آدمی کی نماز سے ستائس درجہ افضل ہے، اور اسی طرح پچیس درجہ بہتر ہونے کی روایت بھی وارد ہوئی ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جماعت کے ساتھ ادا کی گئی نماز، تنہا ادا کی گئی نماز سے ستائس درجہ افضل ہے''۔ (بخاری ومسلم) ایک روایت میں ہے کہ: ''پچیس درجہ افضل ہے''۔ (فتح الباری ۲/۱۳۱)

بظاہر دونوں روایتوں میں تعارض ہونے کے سبب علماء کرامؒ نے دونوں روایتوں میں جمع کی صورت اور مذکورہ درجات کے متقاضی اسباب کو بیان فرمایا ہے۔

انھیں اسباب کو بیان کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اور اس فضیلت کے حصول کے جتنے اسباب سے میں واقف ہو سکا، سب کی تنقیح کی اور جن کا تعلق نماز باجماعت سے نہ تھا انھیں حذف کر دیا۔ جس کا بیان حسب ذیل ہے:

۱- جماعت کے ساتھ ادائیگی نماز کی نیت سے مؤذن کی دعوت پر لبیک کہنا۔

۲- جماعت کو پانے کے لیے اول وقت میں جلدی پہنچنا۔

۳- مسجد تک سکینت و وقار کے ساتھ چلتے ہوئے آنا۔

۴- دعاء پڑھتے ہوئے مسجد میں داخل ہونا۔

۵- مسجد میں داخلہ کے بعد تحیۃ المسجد ادا کرنا۔

☆ اور مندرجہ بالا ان سارے اعمال کا صدور با جماعت نماز کی ادائیگی کی نیت سے ہی ہو سکتا ہے۔

۶- نماز کے لیے جماعت کا انتظار کرنا۔

۷- اس کے لیے فرشتوں کی دعاء رحمت و مغفرت۔

۸- اس کے حق میں فرشتوں کی شہادت۔

۹- اقامت نماز پر فوراً لبیک کہنا۔

۱۰- شیطان سے محفوظ رہنا جب کہ وہ اقامت کے وقت راہ فرار اختیار کرتا ہے۔
۱۱- امام کے تکبیر تحریمہ کہنے کے انتظار میں کھڑے رہنا یا نماز کی جس حالت میں بھی اس کو پائے اس کے ساتھ شامل ہوجانا۔
۱۲- اسی طرح تکبیر تحریمہ کا پالینا۔
۱۳- صفیں سیدھی کرنا نیز درمیان صف خالی جگہوں کو پر کرنا۔
۱۴- امام جب ''سمع الله لمن حمده'' کہتا ہے تو اس کا جواب دینا۔
۱۵- نماز میں بھول چوک سے غالبا مامون رہنا، اور اگر امام سے سہو ہوجائے تو سبحان الله کہہ کر اس کو متنبہ کرنا۔
۱۶- خشوع وخضوع کا حصول نیز اس سے غافل کردینے والے امور سے غالبا محفوظ رہنا۔
۱۷- اچھی وضع قطع اختیار کرنا۔
۱۸- اس (باجماعت نمازی) کو فرشتوں کا ڈھانپنا۔
۱۹- تجوید وقراءت کی پریکٹس نیز دین کے ارکان اور ان کی جزئیات کا سیکھنا۔
۲۰- اسلام کے شعائر کا غلبہ واظہار ہونا۔
۲۱- عبادت کے واسطے جمع ہوکر، نیکی پر تعاون کرکے نیز اعمال صالحہ میں کاہل وسست آدمی کے نشاط کے ذریعہ شیطان کو ذلیل وخوار کرنا۔
۲۲- صفت نفاق اور غیروں کی بدگمانی سے سلامتی کہ اس نے نماز کو سرے سے چھوڑ ہی رکھا ہے۔
۲۳- امام کے سلام کا جواب دینا۔
۲۴- اجتماعی دعا وذکر کے ذریعہ عمومی نفع کا حصول اور کامل کی برکت سے ناقص کے نقصان کا تدارک۔
۲۵- پڑوسیوں کے درمیان نظام الفت ومحبت کا قائم ہونا اور اوقات نماز میں ان کی خبر گیری کرنے کا موقعہ ملتے رہنا۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ پچیس خصلتیں ایسی ہیں جن میں سے ہر ایک کے بارے میں کوئی نہ کوئی خاص امر یا ترغیب ضرور آئی ہے، البتہ دو خصلتیں باقی رہ گئیں ہیں ان کا تعلق جہری نمازوں سے ہے اور وہ یہ ہیں:
۲۶/۱- امام کے قراءت کرتے وقت خاموشی اختیار کرنا اور اس کی قراءت کو غور سے سننا۔
۲۷/۲- امام کے ''آمین'' کہتے وقت آمین کہنا تا کہ فرشتوں کے تامین کی موافقت ہوسکے۔(فتح الباری ۲/۱۳۳)

امام محمد بن علی شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''لیکن محروم وہ ہے جو باجماعت نماز کی ادائیگی سے محروم رہ جائے، کیونکہ ایک مغبون (فریب خوردہ وخسارہ سے دوچار آدمی کے علاوہ کوئی بھی شخص ایک ایسی نماز کو چھوڑ کر جس کا اجر وثواب ستائس نمازوں کے برابر ہو، وہ نماز اختیار نہیں کرسکتا جس کا ثواب اس (صلاۃ متروکہ) کے ستائس اجزاء میں سے صرف ایک جزء کے برابر ہو، حالانکہ اگر وہ دنیاوی معاملات میں اپنے لیے اس طرح کی سودے بازی سے راضی ہوجائے تو سفاہت (بیوقوفی) کے اس حد تک پہنچ جانے کے باعث اپنے ہی مال میں تصرف کرنے سے روک دیئے جانے کا مستحق ہوگا اور ہدایت کی توفیق دینا پاک پروردگار کے ہی ہاتھ میں ہے''۔(السیل الجرار ۱/۲۴۶)

☆☆☆

عقائد وایمان

بشریت رسول ﷺ کا عقیدہ

ابوالبیان رفعت سلفی رکرناٹک

عقیدۂ رسالت اسلامی عقائد میں سے ایک اہم عقیدہ ہے، اور بشریت رسالت کا عقیدہ عقیدۂ رسالت کی سب سے اہم بنیاد ہے، جس سے متعلق قرآن وسنت میں انتہائی واضح وٹھوس تعلیمات موجود ہیں، اگر کوئی مسلمان اس بنیاد کو ڈھا دیتا ہے تو اس کا عقیدۂ توحید لازمی طور پر شرک کی آمیزش سے محفوظ نہیں رہ سکتا، مگر اس کے باوجود مسلمانوں کے مابین اس عقیدہ سے متعلق بھی بہت سی گمراہیاں پائی جاتی ہیں۔

میں نے اپنے اس مضمون میں اسی عقیدہ کو قرآن وسنت کی روشنی میں ثابت کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ اس عقیدہ سے متعلق گمراہیوں کا ازالہ ہوسکے۔

۱- جملہ انبیاء ورسل بشر تھے:

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بیشک اہل کتاب بخوبی جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کی طرف انہیں جیسے انسانوں ہی کو رسول بنا کر بھیجتا ہے، اللہ تعالیٰ (انسانوں کی طرف) کبھی کسی فرشتے کو رسول بنا کر نہیں بھیجتا جب کہ بہت سے کفار یہ گمان کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ صرف کسی فرشتے ہی کو رسول بنا کر مبعوث کرتا ہے، اور اگر کبھی کسی انسان کو رسول بنا کر مبعوث کرتا ہے تو اس رسول کے ساتھ ظاہری طور پر ایک فرشتہ ضرور موجود ہوتا ہے، اسی وجہ سے مشرکین جب کسی پیغمبر کو دیکھتے تو تعجبا کہتے تھے کہ یہ کیسا رسول ہے جس کے ساتھ ظاہری طور پر کوئی فرشتہ موجود نہیں، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے ﴿ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَن يُؤْمِنُواْ إِذْ جَاءهُمُ الْهُدَى إِلاَّ أَن قَالُواْ أَبَعَثَ اللّهُ بَشَراً رَّسُولاً☆ قُل لَّوْ كَانَ فِي الأَرْضِ مَلآئِكَةٌ يَمْشُونَ مُطْمَئِنِّينَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِم مِّنَ السَّمَاءِ مَلَكاً رَّسُولاً﴾ اور جب لوگوں کے پاس ہدایت آ گئی تو ان کو ایمان لانے سے اس کے سوا کوئی چیز مانع نہ ہوئی کہ کہنے لگے کہ کیا اللہ نے آدمی کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے؟ کہہ دو کہ اگر زمین میں فرشتے ہوتے (کہ اس میں) چلتے پھرتے اور بستے تو ہم ان کے پاس بھی فرشتے کو پیغمبر بنا کر بھیجتے۔[الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح ج۲ص۳۶۰۔ترقیم الشاملۃ]

صاحب اضواء البیان﴿ قُل لَّوْ كَانَ فِي الأَرْضِ مَلآئِكَةٌ يَمْشُونَ مُطْمَئِنِّينَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِم مِّنَ السَّمَاءِ مَلَكاً رَّسُولاً﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "بَيَّنَ جَلّ وَعَلَا فی هذه الآية اَنّ الرَّسُولَ يَلْزَمُ ان يكُونَ مِنْ جنسِ المُرسَلِ اليهم فلو كان مرسِلا رسولًا الىٰ الملائكةِ لنَزّلَ عليهم ملكاً مِثْلَهُم" (اللہ عزوجل نے اس آیت کریمہ میں بیان فرمایا ہے کہ رسول کے لئے لازم ہے کہ وہ انہیں لوگوں کی جنس سے ہو جن لوگوں میں اسے بھیجا جا رہا ہو پس اگر اللہ تعالیٰ فرشتوں کی طرف رسول مبعوث کرتا تو ان کی طرف انہیں جیسے کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتا، معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ جب بھی انسانوں کی طرف کسی رسول کو مبعوث کرتا ہے تو انہیں جیسے کسی بشر کو ہی رسول بنا کر بھیجتا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے

اس معنیٰ کو قرآن مجید کی متعدد آیات میں واضح فرمایا ہے مثلاً میں ارشاد ربانی ہے: ﴿وَقَالُواْ لَوْلا أُنزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ وَلَوْ أَنزَلْنَا مَلَكاً لَّقُضِيَ الأمْرُ ثُمَّ لاَ يُنظَرُونَ﴾ وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكاً لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلاً وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِم مَّا يَلْبِسُونَ﴾ (سورہ انعام:۸-۹) اور کہتے ہیں کہ ان (پیغمبر) پر فرشتہ کیوں نازل نہ ہوا (جو ان کی تصدیق کرتا)؟ اگر ہم فرشتہ نازل کرتے تو کام ہی فیصل ہو جاتا پھر انہیں (مطلق) مہلت نہ دی جاتی۔ نیز اگر ہم کسی فرشتے کو بھیجتے تو اُسے مرد کی صورت میں بھیجتے اور جو شبہہ (اب) کرتے ہیں اسی شبہے میں انہیں پھر ڈال دیتے، اسی طرح سورۃ الانبیاء میں فرمان الٰہی ہے ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلاَّ رِجَالاً نُّوحِيْ إِلَيْهِمْ فَاسْأَلُواْ أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لاَ تَعْلَمُونَ﴾ اور ہم نے تم سے پہلے مرد ہی (پیغمبر بنا کر) بھیجے جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے، اگر تم نہیں جانتے تو جو یاد رکھتے ہیں اُن سے پوچھ لو۔ اسی طرح سورہ فرقان میں اللہ کا فرمان ہے۔ ﴿وَما أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِيْ الْأَسْوَاقِ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً أَتَصْبِرُونَ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْراً﴾ اور ہم نے تم سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے ہیں سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے اور ہم نے تمہیں ایک دوسرے کیلئے آزمائش بنایا ہے کیا تم صبر کرو گے؟ اور تمہارا رب تو دیکھنے والا ہے۔ (تفسیر اضواء البیان للشنقیطی ج ۳ ص ۱۸۶)

۲- انسانوں میں سے نبی کی بعثت پر کفار کا تعجب:

سورۃ یونس میں اللہ کا فرمان ہے: ﴿أَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَباً أَنْ أَوْحَيْنَا إِلَى رَجُلٍ مِّنْهُمْ أَنْ أَنذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ آمَنُواْ أَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِندَ رَبِّهِمْ قَالَ الْكَافِرُونَ إِنَّ هَـذَا لَسَاحِرٌ مُّبِيْنٌ﴾ ”کیا لوگوں کو تعجب ہوا کہ ہم نے انہی میں سے ایک مرد کو بھیجا کہ لوگوں کو ڈر سنا دو اور ایمان لانے والوں کو خوشخبری دے دو کہ اُن کے رب کے ہاں اُن کا سچا درجہ ہے (ایسے شخص کی نسبت) کافر کہتے ہیں کہ یہ تو صریح جادوگر ہے“۔ [سورۃ یونس/۲]

ڈاکٹر محمد لقمان السّلفی حفظہ اللہ مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر کے تحت رقمطراز ہیں کہ ”مشرکین اس بات پر حیرت کرتے تھے کہ انہیں جیسا ایک آدمی ان کی رہنمائی کے لئے بھیجا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کی اس حیرت پر نکیر کی ہے کہ اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں، بلکہ اگر وہ رسول فرشتہ یا جن ہوتا تو حیرت کی بات تھی، اس لئے کہ بنی نوع انسان یا تو اسے دیکھ نہیں پاتے، یا اگر دیکھ پاتے تو اس سے مانوس نہیں ہوتے، کیونکہ انسان اپنے ہی جیسے جسد خاکی رکھنے والے انسان کے ساتھ مانوس ہوتا ہے، اس لئے نبی کریم ﷺ کا مبعوث ہونا فطرت اور عقل کے تقاضے کے مطابق تھا“۔ [تفسیر تیسیر الرحمٰن لبیان القرآن ص ۶۰۱]

۳- تمام پیغمبروں کے لئے بشر ہونا ضروری کیوں؟

حافظ مبشر حسین لاہوری حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس طرح انسانوں اور فرشتوں کے مادۂ تخلیق میں فرق ہے، اسی طرح ان کے طبائع و خصائل میں بھی فرق ہے، مثلاً فرشتوں کو نہ کھانے پینے کی حاجت ہے، نہ پیشاب پاخانے کی، نہ شادی بیاہ کی، نہ اولاد کی۔ اسی طرح فرشتے نہ سوتے ہیں اور نہ تھکتے اور بیمار ہوتے ہیں۔ مگر انسان ان تمام چیزوں سے دوچار ہوتا ہے، اس لئے اگر کسی فرشتے کو رسول بنا کر انسانوں کے لئے بھیج دیا جاتا تو وہ انسانی زندگی کے تمام پہلو عملی شکل میں واضح نہیں کر سکتا

تھا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لئے انسانوں ہی سے انبیاورسل کا انتخاب فرمایا۔مگر یہ بات کافروں کے لئے ہمیشہ باعث حیرت رہی۔ وہ کہا کرتے تھے کہ: رسول انسانوں میں سے نہیں بلکہ فرشتوں میں سے ہونا چاہئے۔ ان کے اس شبہ و اعتراض کا جواب اللہ تعالیٰ نے (سورۃ بنی اسرائیل/۹۴،۹۵) یوں دیا ہے: ﴿وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَن يُؤْمِنُواْ إِذْ جَاءهُمُ الْهُدَى إِلاَّ أَن قَالُواْ أَبَعَثَ اللّهُ بَشَراً رَّسُولاً ☆ قُل لَّوْ كَانَ فِي الأَرْضِ مَلآئِكَةٌ يَمْشُونَ مُطْمَئِنِّينَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِم مِّنَ السَّمَاءِ مَلَكاً رَّسُولاً﴾ (انسان اور فرشتے ص:۷۸)

ڈاکٹر محمد لقمان السّلفی حفظہ اللہ ﴿وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكاً لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلاً وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِم مَّا يَلْبِسُونَ﴾ (سورۃ الانعام: ۹) کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ”یہ کافروں کے سوال کا دوسرا جواب ہے کہ اگر کافروں کی رائے کے مطابق ہم نبی ﷺ کے ساتھ فرشتہ بھیجتے تو اسے (بھی) انسان کی صورت اختیار کرنی پڑتی، اس لئے کہ انسان فرشتے کو اس کی اصلی شکل میں نہیں دیکھ سکتا، اور آدمی کی شکل میں بھیجنے کی صورت میں کافر کہتے کہ یہ فرشتہ نہیں ہے یہ تو آدمی ہے، اور دوبارہ اسی شبہ میں پڑ جاتے جس میں پہلے سے واقع تھے، اور اس سے کہتے کہ تم تو آدمی ہو فرشتہ نہیں، اور اگر وہ اپنے فرشتہ ہونے پر قرآن یا کسی اور معجزہ سے استدلال کرتا، تو اسے دوبارہ جھٹلا دیتے، جیسا کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو جھٹلا دیا۔(تفسیر تیسیر الرحمٰن لبیان القرآن:۳۹۰)

اسی طرح مفسر قرآن مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ ”اگر فرشتہ پیغمبر بن کر انسانی شکل میں آتا تو اس پر بھی وہ تمام اعتراضات وارد ہوسکتے تھے جو رسول اللہ ﷺ پر وارد ہوتے رہے، پھر یہ ایک الگ اعتراض پیدا ہوجاتا کہ جو شخص اپنے آپ کو فرشتہ یا پیغمبر کہہ رہا ہے آیا یہ فی الواقع فرشتہ ہے بھی یا نہیں؟ یا کوئی جادوگر انسان ہے جو ہمیں چکمہ دے رہا ہے، گویا ان کا وہ اشتباہ بھی بدستور باقی رہتا جو انہیں اب پڑا ہوا ہے۔ نیز اگر کوئی رسول فرشتہ ہوتا تو اتمام حجت کا معاملہ ہی ختم ہوجاتا۔ ایسے رسول پر ایمان لانے والے اپنی بے عملی کے جواز کے لئے یہ معقول بہانہ پیش کر سکتے تھے کہ رسول تو فرشتہ ہے اور ہم بشر ہیں لہٰذا ہم اس کی پورے طور پر اتباع کیسے کر سکتے ہیں؟ اور یہی رسول کے بشر ہونے میں سب سے بڑی حکمت ہے۔(تفسیر تیسیر القرآن ج اص:۶۰۱۔مولانا عبدالرحمٰن کیلانیؒ)

۴-تمام رسولوں کا اعلان بشریت:

”قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِن نَّحْنُ إِلاَّ بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلَـكِنَّ اللّهَ يَمُنُّ عَلَى مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَمَا كَانَ لَنَا أَن نَّأْتِيَكُم بِسُلْطَانٍ إِلاَّ بِإِذْنِ اللّهِ وَعلَى اللّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ“ (سورہ ابراہیم:۱۱) پیغمبروں نے اُن سے کہا کہ ہاں ہم تمہارے ہی جیسے آدمی ہیں لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے (نبوت کا) احسان کرتا ہے اور ہمارے اختیار کی بات نہیں کہ ہم اللہ کے حکم کے بغیر تمہیں (تمہاری فرمائش کے مطابق) معجزہ دکھائیں اور اللہ ہی پر مومنوں کو بھروسا رکھنا چاہیے۔

۵-کفار ومشرکین جملہ انبیاورسل کا انکار ان کے بشر ہونے کی وجہ سے ہی کرتے تھے:

﴿وَقَالَ الْمَلَأُ مِن قَوْمِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِلِقَاء الْآخِرَةِ وَأَتْرَفْنَاهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا مَاهَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَأْكُلُ مِمَّا تَأْكُلُونَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُونَ☆ وَلَئِنْ أَطَعْتُم بَشَراً مِثْلَكُمْ إِنَّكُمْ إِذاً لَّخَاسِرُونَ﴾

[سورۃ المومنون/۳۴،۳۳] اوران کی قوم کے سردار جو کافر تھے اور آخرت کے آنے کو جھوٹ سمجھتے تھے اور دنیا کی زندگی میں ہم نے ان کو آسودگی دے رکھی تھی کہنے لگے کہ یہ تو تمہارے جیسا آدمی ہے، جس قسم کا کھانا تم کھاتے ہو اسی طرح کا یہ بھی کھاتا ہے اور پانی جو تم پیتے ہو اسی قسم کا یہ بھی پیتا ہے۔ اور اگر تم نے اپنے ہی جیسے آدمی کا کہا مان لیا تو گھاٹے میں پڑ گئے۔

اسی سورہ میں ایک دوسری جگہ فرمایا﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحاً إِلَى قَوْمِهِ فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ أَفَلَا تَتَّقُونَ☆ فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ مَا هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيدُ أَن يَتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ شَاء اللَّهُ لَأَنزَلَ مَلَائِكَةً مَّا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ﴾ [سورۃ المومنون/۲۴،۲۳]''اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو انہوں نے ان سے کہا کہ اے قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں کیا تم ڈرتے نہیں؟ تو اُن کی قوم کے سردار جو کافر تھے کہنے لگے یہ تو تم ہی جیسا آدمی ہے تم پر بڑائی حاصل کرنی چاہتا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو فرشتے اتار دیتا، ہم نے اپنے اگلے باپ دادا میں تو یہ بات کبھی نہیں سنی تھی''۔

اسی طرح سورۃ القمر میں ارشاد ربانی ہے: ﴿كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذُرِ☆ فَقَالُوا أَبَشَراً مِّنَّا وَاحِداً نَّتَّبِعُهُ إِنَّا إِذاً لَّفِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ☆ أَأُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِن بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ أَشِرٌ ☆سَيَعْلَمُونَ غَداً مَّنِ الْكَذَّابُ الْأَشِرُ﴾ [سورۃ القمر/۲۶،۲۵،۲۴،۲۳]''ثمود نے بھی ہدایت کرنے والوں کو جھٹلایا۔ اور کہا کہ بھلا ایک آدمی جو ہم ہی میں سے ہے ہم اس کی پیروی کریں؟ یوں ہو تو ہم گمراہی اور دیوانگی میں پڑ گئے۔۲۴۔ کیا ہم سب میں سے اسی پر وحی نازل ہوئی ہے؟ (نہیں) بلکہ یہ جھوٹا خود پسند ہے۔۲۵۔ ان کو کل ہی معلوم ہو جائے گا کہ کون جھوٹا خود پسند ہے''۔

اسی طرح کی بات قوم فرعون نے موسیٰ و ہارون علیہما السلام والتسلیم سے متعلق بھی کہی تھی۔ فرمان الٰہی ہے ﴿ ثُمَّ أَرْسَلْنَا مُوسَى وَأَخَاهُ هَارُونَ بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ☆إِلَى فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْماً عَالِينَ ☆فَقَالُوا أَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عَابِدُونَ ☆فَكَذَّبُوهُمَا فَكَانُوا مِنَ الْمُهْلَكِينَ ﴾[سورۃ المومنون/۴۸،۴۷،۴۶،۴۵]''پھر ہم نے موسیٰ اور اُن کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیاں اور ظاہر دلیل دے کر بھیجا۔ (یعنی) فرعون اور اس کی جماعت کی طرف تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ سرکش لوگ تھے۔ کہنے لگے کہ کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں پر ایمان لے آئیں؟ اور ان کی قوم کے لوگ ہمارے خدمت گار ہیں۔ تو ان لوگوں نے ان کی تکذیب کی سو (آخر) ہلاک کر دیئے گئے''۔

٦۔ خاتم النبیین، سید الانبیاء والمرسلین، محمد عربی ﷺ بھی بشر تھے:

﴿ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَى إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ فَمَن كَانَ يَرْجُو لِقَاء رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحاً وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَداً﴾[سورۃ الکہف ۱۱۰]''کہہ دو کہ میں تمہاری طرح کا ایک بشر ہوں (البتہ) میری طرف وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود (وہی) ایک معبود ہے، تو جو شخص اپنے رب سے ملنے کی امید رکھے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے''۔

علامہ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''(اے نبی ﷺ) آپ کائنات کے لوگوں کے سامنے اعلان کر دیجیے کہ بیشک آپ فرشتہ نہیں بلکہ آپ بشر ہیں، بشر کے مثل ہیں، بشر سے خارج نہیں،

اس لئے کہ لوگوں کی طرح آپ ﷺ کو بھی غصہ آتا تھا، لوگوں کی طرح آپ ﷺ بھی بیمار ہوتے تھے، لوگوں کی طرح آپ ﷺ کو بھی بھوک اور پیاس لگتی تھی، لوگوں کی طرح آپ ﷺ کو بھی گرمی سردی کا احساس ہوتا تھا، لوگوں کی طرح آپ ﷺ بھی میدان جنگ میں تیروں کے وار سے بچتے تھے، لوگوں کی طرح آپ ﷺ سے بھی بھول ہوجایا کرتی تھی، اور لوگوں کی طرح آپ ﷺ کے جسم کا بھی سایہ تھا، غرضیکہ تمام بشری طبیعتیں رسول اللہ ﷺ کے لئے ثابت ہیں، پس جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ بیشک رسول اللہ ﷺ نورانی تھے اور آپ ﷺ کے جسم اطہر کا کوئی سایہ نہ تھا تو یہ سراسر جھوٹ ہے، بیشک دیگر انسانوں کی طرح آپ ﷺ کے جسم اطہر کا بھی سایہ تھا، اگر رسول اللہ ﷺ کے جسم اطہر کا کوئی سایہ نہ ہوتا تو یہ قول ضرور تواتر اً نقل کیا جاتا کیونکہ سایہ بھی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے، پس واضح ہوگیا کہ لوگوں کی طرح رسول اللہ ﷺ بھی بشر تھے۔(تفسیر القرآن للعثیمین ج۶ص۱۲۱، ترقیم الشاملۃ)

اسی طرح سورۃ فصلت میں ارشاد ربانی ہے:﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَى إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ فَاسْتَقِيمُوا إِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوهُ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِينَ﴾ [سورۃ فصلت/۶]''(اے پیغمبر) کہہ دو کہ میں بھی آدمی ہوں جیسے تم (ہاں) مجھ پر یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود اللہ واحد ہے تو سیدھے اسی کی طرف (متوجہ) رہو اور اسی سے مغفرت مانگو اور مشرکوں پر افسوس ہے''۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''میں تو تمہارے ہی جیسا آدمی ہوں، جس طرح تم بھولتے ہو میں بھی بھول جاتا ہوں، اس لئے جب میں بھول جایا کروں تو تم مجھے یاددلا دیا کرو، اور اگر کسی کو نماز میں شک ہوجائے تو اس وقت ٹھیک بات سوچ لے اور اسی کے مطابق نماز پوری کرے پھر سلام پھیر کر دو سجدے (سہو کے) کرلے''[صحیح البخاری، کتاب الصلوۃ، باب التوجہ نحوالقبلہ حیث کان، ح ۴۰۱)

رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہ لوگ کھجوروں کو پیوند (گابھہ) کرتے تھے، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا تم ایسا کیوں کرتے ہو؟ صحابہء کرام نے عرض کیا ہم (حسب عادت) یہ کام کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا شاید اگر تم یہ کام نہ کرو تو بہتر ہو، انہوں نے پیوند کرنا چھوڑ دیا تو کھجوروں نے پھل کم دیا۔ رافعؓ کہتے ہیں کہ لوگوں نے پھل کم دینے کا تذکرہ رسول اللہ ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''میں (بھی) تو انسان ہوں، جب تمہیں تمہارے دین کی کوئی بات بتلاؤں تو تم اسے قبول کرلو، اور جب میں تمہیں اپنی رائے سے کوئی بات بتلاؤں تو میں (بھی) انسان ہوں (آدمی کی رائے کبھی درست ہوتی ہے اور کبھی غلط)[صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب وجوب امتثال ما قالہ شرعاً دون ما ذکرہ ﷺ من معا ئش الدنیا علی سبیل الرائی ح۶۲۷۶]

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''علماء نے کہا ہے کہ آپ ﷺ کی جو رائے اپنی طرف سے ہو معاش کے کاموں میں (وہ) اور لوگوں کی طرح ہے، اور اس میں کوئی نقص نہیں، اس لئے کہ آپ ﷺ کا اکثر وقت آخرت کی اصلاح، اور اس کے فکر میں صرف ہوتا تھا، پس آپ ﷺ کو دنیا کے کاموں میں زیادہ غور کرنے کی فرصت نہ ہوتی تھی، اور مراد وہی رائے ہے جس میں آپ ﷺ یہ تصریح کردیں کہ یہ صرف رائے سے میں نے کہا ہے، اور اس مقدمہ میں ہو جو دین کے احکام سے تعلق نہ رکھتا،

اور باقی جتنے اوامر اور نواہی ہیں خواہ وہ دین سے متعلق ہوں یا دنیا سے ان سب کی اتباع واجب ہے''۔[صحیح مسلم مع مختصر شرح نووی اردو، ج۶ص۵۹)

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ دو شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، معلوم نہیں آپ ﷺ سے کیا باتیں کیں، آپ ﷺ کو غصہ آ گیا، آپ ﷺ نے ان دونوں پر لعنت کی اور انہیں برا کہا، جب وہ باہر نکلے تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ان دونوں کو کچھ فائدہ نہ ہوگا، آپ ﷺ نے فرمایا کیوں؟ میں نے عرض کیا اس وجہ سے کہ آپ ﷺ نے ان پر لعنت کی ہے اور انہیں برا کہا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا تجھے معلوم نہیں میں نے جو شرط اپنے پروردگار سے طے کی ہے؟ میں نے کہا ہے ''یا اللہ میں بشر ہوں تو جس مسلمان پر میں لعنت کروں یا اس کو برا کہوں تُو اس کو پاک کر اور ثواب دے''[صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب من لعنه النبی ﷺ ولیس هو اهلاً لها فهی له زکوة و اجر، ح۶۷۷۹]

امام نووی رحمہ اللہ حدیث مذکور کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو خواص اور لوازم بشری ہیں وہ آپ ﷺ میں بھی موجود تھے جیسے غصہ وغیرہ، پر آپ ﷺ غصہ میں سوا حق کے اور کچھ نہ فرماتے، اور یہ آپ ﷺ کی کمال شفقت ہے کہ اپنی امت پر لعنت کو بھی ان کے حق میں برکت کر دیا''۔[صحیح مسلم مع مختصر شرح نووی اردو، ج۶ص۲۲۷]

ام سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے حجرے کے دروازے کے سامنے جھگڑے کی آواز سنی اور جھگڑا کرنے والوں کے پاس تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا ''میں بھی ایک انسان ہوں، اس لئے جب میرے یہاں کوئی جھگڑا لے کر آتا ہے تو ہوسکتا ہے کہ (فریقین میں سے) ایک فریق کی بحث دوسرے فریق سے عمدہ ہو، میں سمجھتا ہوں کہ وہ سچا ہے، اور اس طرح میں اس کے حق میں فیصلہ کر دیتا ہوں، لیکن اگر میں اس کو (اس کے ظاہری بیان پر بھروسہ کر کے) کسی مسلمان کا حق دلا دوں تو دوزخ کا ایک ٹکڑا اس کو دلا رہا ہوں، وہ لے یا چھوڑ دے''۔[صحیح بخاری، ۲۴۵۸]

علامہ داؤد راز رحمہ اللہ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں کہ ''یعنی جب تک اللہ کی طرف سے مجھ پر وحی نہ آئے میں بھی تمہاری طرح غیب کی باتوں سے ناواقف رہتا ہوں، کیونکہ میں بھی آدمی ہوں اور آدمیت کے لوازم سے پاک نہیں ہوں۔ اس حدیث سے ان بے وقوفوں کا رد ہوا جو رسول اللہ ﷺ کے لئے علم غیب ثابت کرتے ہیں، یا رسول اللہ ﷺ کو بشر نہیں سمجھتے بلکہ الوہیت کی صفت سے متصف جانتے ہیں۔ قاتلهم الله انی یوفکون (وحیدی)[صحیح بخاری اردو مع شرح داؤد رازؒ، ج۳ص۵۸۰]

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ اس حدیث کی شرح کے تحت یوں لکھتے ہیں ''اس میں آپ نے وضاحت فرمادی ہے کہ میں بھی ایک انسان ہی ہوں، اور جس طرح دوسرے انسان کسی کی چرب زبانی' تیزی اور طراری سے متاثر ہو کر خلاف واقعہ بات کو حقیقت سمجھ لیتے ہیں' مجھ سے بھی ایسا ہوسکتا ہے۔ تاہم یہ عصمت کے منافی نہیں، کیونکہ اس کا تعلق تبلیغ اور فریضہء رسالت کی ادائیگی سے نہیں ہے جس کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے لیا ہے۔[ریاض الصالحین اردو، ج۱ص۲۳۲]

خلاصہء کلام: ہمارے نبی محمد ﷺ سمیت اس دنیا میں اللہ کے جتنے بھی انبیاء و مرسلین علیہم الصلاہ والتسلیم مبعوث کئے گئے سب کے سب بشر تھے، کیونکہ سب کے سب آدم علیہ السلام کی اولاد تھے، اور نبوت و رسالت کے اعلیٰ منصب پر فائز ہونے کے باعث وہ دنیا کے عام انسانوں سے بہت افضل و اشرف تھے۔ ☆☆☆

اسلامی عقائد

آثار صالحین سے تبرک کی شرعی حیثیت

طارق اسعد بن اسعد اعظمی رف۲

دین اسلام ایک مکمل اور آسان مذہب ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:"**إن الدين يسر**"(بخاری:۳۹) دین آسان ہے۔ مگر اس کے باوجود کچھ لوگوں نے حصول ثواب کی خاطر ایسے نت نئے طریقے ڈھونڈ نکالے جن کا شریعت مطہرہ سے دور دور تک کوئی واسطہ نہیں۔ یہ طریقے بظاہر تو بہت ہی خوشنما اور دلفریب لگتے ہیں مگر درحقیقت ان میں شرکیہ اعمال کی بو محسوس ہوتی ہے۔

اس قسم کا ایک اہم مسئلہ آثار صالحین سے تبرک کا ہے۔ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ زیر نظر مضمون میں ان شاء اللہ ہم اس کو واضح کرنے کی کوشش کریں گے۔

تبرک کا معنی:

تبرک"برکت" سے ماخوذ ہے۔ لغت میں برکت کا معنی ہے: نمو، اضافہ، سعادت۔ (القاموس المحیط از فیروز آبادی، مادہ"برک")

اصطلاحی تعریف میں علامہ ابن القیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:"إن البركة كثرة الخير و دوامه"(**بدائع الفوائد لابن القيم ۲/۱۸۴**)

"برکت کہتے ہیں خیر کی فراوانی اور اس کے دوام کو"۔

اسی سے"تبرک" باب تفعل کا مصدر ہے: برکت طلب کرنا، برکت چاہنا۔

قرآن وحدیث کا مطالعہ کریں جو جابجا اس امر کی نشاندہی کی گئی ہے کہ برکت اور اس کی تمام انواع اللہ کی جانب سے ہیں۔ جیسے:"تبارك الذى بيده الملك"(الملک:۱) اور" وباركنا عليه وعلى إسحاق"(الصافات:۱۱۳) وغیرہ۔

اسی طرح بعض ایام اور مقامات کو اللہ نے متبرک بنایا ہے جیسے بیت اللہ الحرام، مکہ مکرمہ، مساجد، ماہ رمضان، عشرہ ذی الحجہ، یوم عرفہ اور یوم جمعہ وغیرہ۔ نیز بنی آدم میں سے بعض اہل ایمان کو متبرک بنایا ہے۔ شیخ صالح بن عبدالعزیز لکھتے ہیں:
"انبیاء ورسل کی ذات بابرکت ہے، یعنی ان کے اجسام مبارک ہیں۔ اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کے جسم کو مبارک بنایا۔ حضرت ابراہیم، نوح، عیسی اور موسیٰ علیہ السلام کے اجسام کو مبارک بنایا۔"(**التمهيد لشرح كتاب التوحيد از شیخ صالح بن عبدالعزیز**، ص:۱۲۵)

واضح رہے کہ وہ اشیاء، اقوال اور افعال جن کو شریعت نے متبرک ٹھہرایا ہے وہ محض برکت کا سبب ہیں نہ کہ بذات خود برکت دینے والی ہیں۔

صحابہ کرام کا نبی ﷺ کی ذات اور آپ کی دیگر اشیاء سے تبرک:

نبی مقدس ﷺ کی حیات مبارکہ میں صحابہ کرام آپ ﷺ کی ذات اور دیگر اشیاء جیسے موئے مبارک، ریق مبارک اور وضو کے بچے پانی سے تبرک حاصل کیا کرتے تھے۔ اس تعلق سے بہت ساری حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ ذیل میں چند احادیث ذکر کی جارہی ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ نبی ﷺ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے یہاں تشریف لے گئے اور بستر پر سو گئے۔ ام سلیم آئیں اور دیکھا کہ آپ کو پسینہ آرہا ہے اور بستر کے ایک حصہ پر پسینے کے قطرات جمع ہو گئے۔ چنانچہ وہ ایک شیشی لے آئیں اور آپ کے پسینے کے قطرات جمع کرنے لگیں۔ اسی دوران آپ بیدار ہو گئے اور پوچھا کہ ام سلیم کیا کر رہی ہیں؟ کہا ان مبارک قطرات میں ہم اپنے بچوں کے لیے برکت کے امیدوار ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا درست ہے۔ (مسلم:۲۳۳۱)

عروہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ''...... **فوالله ما تنخم رسول الله ﷺ نخامة إلا وقعت في كف رجل منهم فدلك بهما وجهه و جلده**... الحدیث'' (بخاری:۲۷۳۱)

اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کے منہ سے بلغم نہیں نکلتا مگر وہ صحابہ میں سے کسی کے ہاتھ پر پڑتا اور وہ اس سے اپنے چہرے اور جلد پر ملتا تھا۔

ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''**خرج علينا رسول الله ﷺ بالهاجرة ،فأتي بوضوء فتوضأ،فجعل الناس يأخذون من فضل وضوئه، فيتمسحون به**۔'' (بخاری:۱۸۷)

رسول اللہ ﷺ ہمارے یہاں سخت گرمی میں دوپہر کے وقت تشریف لائے، آپ کے پاس وضو کا پانی لایا گیا تو آپ نے وضو کیا۔ لوگ آپ کے وضو کے پانی کو لینے لگے اور اس کو اپنے اوپر ملنے لگے۔

آپ کی ذات سے تبرک کا یہ سلسلہ صرف آپ کی حیات تک ہی محدود نہیں تھا۔ صحابہ اور تابعین آپ کی وفات کے بعد بھی آپ ﷺ کے آثار سے تبرک حاصل کرتے تھے۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ ایک سیاہ جبہ نکالا اور کہا ''یہ حضرت عائشہ کے پاس تھا یہاں تک کہ ان کی وفات ہو گئی۔ ان کی وفات کے بعد اسے میں نے لے لیا۔ نبی ﷺ اسے پہنتے تھے۔ ہم شفا حاصل کرنے کے لیے اس سے مریضوں کو غسل دیتے ہیں۔ (مسلم:۲۰۶۹)

ابن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''میں نے عبیدہ سے کہا کہ ہمارے پاس نبی ﷺ کا بال ہے جسے ہم نے حضرت

انس رضی اللہ عنہ کے یہاں سے پایا ہے۔ میرے پاس اس بال کا ہونا میرے لیے دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔'' (بخاری: ۱۷۰)

اس کے علاوہ اور بھی بہت سارے دلائل ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام آپ کی زندگی میں اور آپ کے بعد آپ کے آثار سے برکت حاصل کیا کرتے تھے، لیکن بخوف طوالت ہم انہیں پس انداز کر رہے ہیں۔

غیر نبی کے آثار سے تبرک:

آپ تمام بنی نوع انسان میں سب سے پاکیزہ، سب سے مقدس اور سب سے متبرک ہیں۔ چنانچہ شریعت نے اس متبرک ہستی کے آثار سے تبرک کو جائز ٹھہرایا۔ لیکن اس امر پر کسی اور ذات کو قیاس کر کے اس کے آثار سے تبرک کی مشروعیت کا استدلال کرنا یہ قیاس مع الفارق ہے۔ ظاہر بات ہے کہ نبی ﷺ کی ذات جس جلیل القدر منصب پر فائز ہے اس تک کوئی بھی بشر نہیں پہنچ سکتا۔ پھر کیوں کر نبی کے علاوہ دوسرے اولیاء و صالحین کے آثار سے تبرک جائز ہوسکتا ہے۔ ڈاکٹر ناصر بن عبد الرحمٰن ''التبرک :أنواعه و أحکامه'' میں لکھتے ہیں:

''اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی ﷺ کی اس تبرک کے ساتھ خصوصیت، اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ صالحین کو آپ پر قیاس نہیں کیا جائے گا اور یہ کہ یہ چیز آپ کے ساتھ مخصوص ہے دوسروں کے لیے نہیں۔ علما کا اس بات پر اجماع ہے کہ جب نبی کے حق میں کوئی خصوصیت ثابت ہوجائے تو وہ اس بات کی متقاضی ہے کہ دوسروں کا حکم آپ جیسا نہیں، کیوں کہ یہ حکم اگر غیر کو بھی شامل ہوجائے تو پھر اختصاص کا کوئی معنی ہی نہیں رہ جاتا۔'' (التبرک أنواعه وأحکامه از ڈاکٹر ناصر بن عبدالرحمٰن، ص: ۲٦٦)

اس کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ صحابہ کرام جو آپ کی حیات مبارکہ میں آپ کی مختلف چیزوں سے تبرک حاصل کیا کرتے تھے، آپ کی وفات کے بعد آپ کے آثار کے علاوہ کسی چیز سے بھی تبرک نہیں حاصل کیا۔ نہ تو کسی مفضول صحابی نے افضل صحابی سے، نہ صحابی صغیر نے کبیر سے، نہ تابعین نے صحابہ سے، نہ صحابہ نے خلفاء راشدین سے، نہ تو ان کی ذات سے اور نہ ہی ان کے آثار سے کبھی تبرک حاصل کیا۔ حالاں کہ صحابہ کی جماعت میں افضل صحابی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان ذوالنورین، علی بن ابی طالب، ابو ہریرہ، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ اجلہ صحابہ کا ایک بڑا طبقہ موجود تھا۔ لیکن سیرت کے مطالعہ سے ہمیں کوئی ایسی دلیل نہیں ملتی جس سے تبرک بآثار الصالحین کی مشروعیت کا استدلال کیا جاسکے حالاں کہ یہ صحابہ آپ کی ایک ایک سنت کو اپنانے والے اور ایک ایک امر کی پیروی کرنے والے تھے۔ امام ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''....ایسے ہی تبرک بالآثار کا معاملہ ہے، صحابہ نبی ﷺ سے تبرک حاصل کیا کرتے تھے، لیکن وہ ایک دوسرے سے

تبرک نہیں حاصل کرتے تھے اور صحابہ کرام کے بلند مرتبہ کے باوجود تابعین ان سے تبرک نہیں حاصل کرتے تھے۔تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ چیز صرف نبی ﷺ کے ساتھ کی جائے گی جیسے وضو، بال اور کھانے پینے کے بچے ہوئے حصے سے تبرک۔''**(الحکم الجدیرۃ لابن رجب:۵۵)**

اور اگر دوسرے ناحیے سے دیکھیں تو یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرام نے اس کا سد باب کیا اور اس کی سختی کے ساتھ تردید بھی کی۔حجر اسود جس کے تئیں لوگ بہت زیادہ عقیدت رکھتے ہیں۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:''**إنی أعلم أنک حجر لاتضر ولا تنفع ولولا أنی رأیت رسول اللہ ﷺ یقبلک ما قبلتک۔''(النسائی)**

یعنی مجھے معلوم ہے کہ تو ایک پتھر ہے نہ نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ نفع، اگر میں نبی کریم ﷺ کو تجھے بوسہ لیتے ہوئے نہ دیکھتا تو میں تیرا بوسہ نہ لیتا۔

معرور بن سوید رحمہ اللہ ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ساتھ ایک سفر پر نکلے تو راستے میں ایک مسجد نظر آئی، لوگ اس میں نماز پڑھنے کے لیے دوڑ پڑے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ کیا معاملہ ہے؟ لوگوں نے کہا کہ اس مسجد میں آپ ﷺ نے نماز پڑھی تھی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:''تم سے پہلے کے لوگ اسی طرح کے کاموں کے سبب ہلاک ہوئے تھے۔یہاں تک کہ انہوں نے اسے عبادت گاہ بنالیا۔سنو! اگر نماز کا وقت ہوجائے تو ایسی جگہوں پر پڑھ لیا کرو ورنہ اسے چھوڑ کر گذر جاؤ۔''**(کتاب البدع والنهی لابن وضاح:۴۱-۴۲)**

شجرۃ الرضوان (جس کے نیچے بیعت رضوان واقع ہوئی تھی) لوگوں نے اس کے نیچے بھی تبرکا نماز پڑھنی شروع کر دی۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو جب پتہ چلا تو آپ نے اس درخت ہی کو جڑ سے کٹوا دیا۔(حوالہ سابق:۴۲-۴۳)

صحابہ کرام کے بعد سلف صالحین بھی اس سلسلے میں بہت احتیاط برتتے تھے اور تبرک کی اس نوع کو ناپسند کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص امام احمد رحمہ اللہ کے پاس آیا اور اپنا ہاتھ امام صاحب کے کپڑوں سے چھوکر اپنے منہ پر پھیر لیا۔امام احمد رحمہ اللہ ازحد ناراض ہوئے اور پوچھا کہ یہ تم نے کہاں سے سیکھا؟''**(الحکم الجدیرۃ بالاذاعة:۵۶)**

آثار صالحین سے تبرک کیوں ناجائز ہے؟

شریعت نے ہر اس دروازے کو بند کردیا جس سے شرک کے داخل ہونے کا ذرا بھی خدشہ ہو اور یہ محض اس وجہ سے کہ عبادت کی تمام انواع صرف اللہ کے لیے ادا کی جائیں۔آثار صالحین سے تبرک میں تو بظاہر کوئی قباحت نظر نہیں آتی مگر اس کی آڑ میں جو بدعات اور شرکیہ اعمال جنم لے سکتے ہیں اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔کتب تاریخ میں مذکور ہے کہ بنو اسماعیل جب تلاش معاش کے لیے مکہ سے نکلتے تو اپنے ہمراہ حرم کا کوئی پتھر رکھ لیتے، جس سے مقصد محض تعظیم حرم ہوتی، کہیں پڑاؤ کرتے تو

یہ پتھر رکھ کر کعبہ کی طرح اس کا طواف کرتے۔ رفتہ رفتہ یہ عادت اس کیفیت کو جا پہنچی کہ جو پتھر بھی انہیں پسند آیا اسی کو پوجنے لگے۔ (جائز اور ناجائز تبرک از ڈاکٹر علی بن نفیع العلیانی: ۵۳)

اس تناظر میں اگر موجودہ صورت حال پر نظر ڈالی جائے تو معاملہ اسی سے ملتا جلتا نظر آتا ہے۔ آثار صالحین سے تبرک کے نام پر نت نئی بدعتیں ظاہر ہو رہی ہیں۔ ابتداء میں تو ان آثار سے تبرک حاصل کیا جاتا ہے اور یہاں تک بات پہونچتی ہے کہ انہیں برکت دینے والا خیال کیا جانے لگتا ہے حالاں کہ برکت عطا کرنا صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بھی ذکر کیا۔ امام شاطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''عام لوگ اس سلسلے میں ایک حد پر قائم نہیں رہتے بلکہ حد سے تجاوز کر جاتے ہیں اور برکت طلب کرنے میں جہالت کے سبب مبالغہ کر جاتے ہیں یہاں تک کہ متبرک بہ کی ایسی تعظیم کرتے ہیں جو حد سے باہر ہوتی ہے اور بسا اوقات متبرک بہ کے اندر ایسی چیز کا اعتقاد رکھتے ہیں جو اس کے اندر نہیں ہوتی۔'' (الاعتصام للشاطبی ۲/۹)

علما کے اقوال:

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''غار حرا، غار ثور، کوہ طور، نعل نبی پر بنی ہوئی عمارتیں یا مقام ولادت نبوی یا مقام بیعت عقبہ وغیرہ مقامات جو انبیاء وصالحین کی طرف کسی طرح منسوب ہیں، امت کے لیے کسی طرح جائز نہیں کہ ان کی زیارت کریں اور وہاں جا کر نماز وغیرہ کا قصد کریں اور اس میں کوئی خفا نہیں کہ اگر یہ عمل مشروع ومستحب یا کار ثواب ہوتا تو نبی ﷺ ضرور لوگوں کو اس کی خبر دیتے اور خود ان کا شوق کرتے۔ تو جو شخص ان اعمال کو عبادت، طاعت اور تقرب گردانتا ہے وہ ان صالحین کے طریقہ پر نہیں ہے اور اس نے ایسا دین بنا دیا جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی۔'' (اقتضاء الصراط المستقیم لابن تیمیہ)

شیخ سلیمان بن عبداللہ بن محمد بن وہاب نے آثار صالحین سے تبرک کے عدم جواز کی کئی وجوہات بیان کی ہیں، ان میں سے ایک وجہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہم کسی شخص کے صالح ہونے کا تو گمان کر سکتے ہیں لیکن اس کے خاتمہ اعمال کے بارے میں کچھ نہیں جانتے اور اعمال کا دارومدار خاتمہ پر ہی ہے۔ تو ایسی صورت میں کسی شخص کے آثار سے تبرک نہیں حاصل کیا جا سکتا۔'' (**تیسیر العزیز الحمید از شیخ سلیمان بن عبداللہ: ۱۸۶**)

شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے آثار صالحین سے تبرک سے متعلق ایک سوال کے جواب میں فرمایا:

''یہ (آثار صالحین سے تبرک) ایک منکر عمل ہے جو ناجائز ہے۔ کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ مردوں یا ان کی قبروں

سے تبرک حاصل کرے اور نہ ہی اللہ کے سوا کسی کو پکارے۔اس لیے کہ عبادت اکیلے اللہ کا حق ہے اور صرف اسی سے برکت طلب کی جاسکتی ہے۔'' (مجموع فتاوی ومقالات متنوعہ لابن باز: ۳۳۰/۴)

ایک عبرت آموز واقعہ:

مولانا شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ جامع مسجد دہلی میں بیٹھے وعظ فرما رہے تھے کہ اتنے میں کچھ مجاورین تبرکات کے نام سے کچھ چیزیں جامع مسجد کے کمرے سے نکال کر باہر لائے تو لوگ احتراماً کھڑے ہوگئے لیکن مولانا بدستور بیٹھے رہے۔ مجاورین ان 'تبرکات' کو اکبر شاہ ثانی کے دربار میں لے جارہے تھے۔ وہاں پہنچ کر زاروقطار رونے لگے اور کہا ''حضور! ان تبرکات کی بڑی توہین ہوئی ہے۔ خاندان ولی اللہ کے ایک مولوی صاحب مسجد میں موجود تھے۔ جب ہم تبرکات لے جانے لگے تو لوگ ان کے احترام میں کھڑے ہوگئے مگر یہ مولوی صاحب بیٹھے ہی رہے۔'' بادشاہ نے شاہ صاحب کو طلب کیا اور کہا کہ نبی ﷺ کی زندگی پر کچھ روشنی ڈالیے۔ مولانا نے اہل مکہ کے مظالم اور سفر طائف وغیرہ کا اس انداز سے نقشہ کھینچا کہ بادشاہ زاروقطار رونے لگا۔ پھر بادشاہ نے استفسار کیا کہ مولانا! جب آپ نبی ﷺ کے فضائل ومحامد کے اتنے معتقد ہیں تو نبی کے تبرکات کی تعظیم کیوں نہیں کرتے؟ شاہ اسماعیل رحمہ اللہ نے جواب دیا کہ اول تو ان تبرکات (نعلین اور موئے مبارک) کی آں حضرت سے نسبت پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی اور اگر یہ چیزیں تبرک کی ہوتیں تو آپ کو ان کی زیارت کے لیے جانا چاہیے تھا نہ کہ یہ چیزیں آپ اپنے پاس منگواتے۔ نیز مولانا نے صحیح بخاری منگوائی اور کہا کہ اس میں حضور ﷺ کی سنن پوری صحت کے ساتھ درج ہیں مگر آپ نے ان کی کوئی عزت نہیں کہ مگر یہ رسمی بال ونعل جن کی صحت پر کوئی شہادت نہیں آپ نے ان کی تعظیم کو ضروری سمجھا۔ (محبت رسول ﷺ از مقصود الحسن فیضی: ۱۱۵-۱۱۷)

حرف آخر:

اس مفصل بحث سے ہم اس نتیجے پر پہونچتے ہیں کہ آثار صالحین سے تبرک ایک غیر شرعی عمل ہے جس کی کوئی اصل نہیں۔ روئے زمین پر انبیاء کے بعد سب سے افضل صحابہ کرام نے آثار صالحین (غیر نبی) سے نہ تو کبھی تبرک حاصل کیا اور نہ اس کی طرف رہنمائی کی، نہ اسے جائز سمجھا اور نہ اس پر عمل کیا۔ سلف صالحین اور ائمہ عظام نے بھی اس پر مطول ومدلل گفتگو کی ہے جس کا ماحصل یہی ہے کہ یہ ایک ناجائز عمل ہے جو سد ذریعہ کے طور پر ممنوع ہے۔

اللہ رب العزت ہمیں ہر قسم کے مبتدعانہ عمل سے بچائے اور دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆

اخبار جامعہ

ششماہی رپورٹ لجنۃ الثقافۃ

ندوۃ الطلبہ جامعہ سلفیہ بنارس کے زیر اہتمام لجنۃ الثقافہ کی پہلی نشست ۱۱؍ستمبر ۲۰۱۴ء بروز جمعرات بعد نماز عشاء جامعہ کے قاعۃ المحاضرات میں منعقد ہوئی۔ طلبۂ جامعہ کی فکری وعلمی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لیے ڈاکٹر رضاء اللہ مبارکپوری، سابق شیخ الجامعہ کے ہاتھوں لجنۃ الثقافہ کی بنیاد رکھی گئی۔ مذکورہ پروگرام کی نشست ہر پندرہ روز پر جناب ڈاکٹر محمد ابراہیم مدنی حفظہ اللہ کے زیر اشراف منعقد ہوتی ہے، جس میں طلبہ علمی، ادبی، فکری ودینی موضوعات پر اظہار خیال کرتے ہیں۔ مکالمہ، مباحثہ، مقالہ، برجستہ تقاریر وغیرہ کے ذریعہ طلبہ اپنی کاوشیں پیش کرتے ہیں۔

(۱) لجنۃ الثقافہ کی پہلی نشست میں ہلال احمد ہدایت اللہ رفضیلت ثانی نے ''لوجہاد: حقائق اور پس منظر'' کے موضوع پر اپنا مفصل مقالہ پیش کیا۔ ارشاد احمد عبدالرشید رفضیلت ا، اور میزان الرحمٰن محمد سلیمان رعالم اول نے دینی وعصری تعلیم پر ایک دلچسپ مکالمہ پیش کیا۔ علاوہ ازیں انگریزی وعربی زبان میں برجستہ تقاریر اور مختلف سوالوں کے جواب دیئے گئے۔ پروگرام کی آخری کڑی ''خبرنامہ'' کے تحت آصف علی عبدالرشید رفضیلت ثالث نے مختلف خبروں کو مزاحیہ اور شگفتہ انداز میں پیش کیا۔ پروگرام کی صدارت مولانا عبدالرحیم ریاضی اور نظامت طارق اسعد بن اسعد اعظمی نے کی۔ پروگرام کے اختتام سے قبل صدر مجلس کے ہاتھوں شرکا کو انعامات سے نوازا گیا۔

(۲) لجنۃ الثقافہ کی دوسری نشست کا انعقاد ۲۵؍ستمبر ۲۰۱۴ء بروز جمعرات جامعہ کے سیمینار ہال میں ہوا۔ تلاوت ونعت کے بعد سراج الدین عبدالکریم رفضیلت ثانی نے قربانی کے چند اہم مسائل پر روشنی ڈالی۔ مملکت سعودی عربیہ کے خلاف آئے دن نت نئی سازشوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ''سعودی عرب کے خلاف ریشہ دوانیاں: ماضی اور حال کے آئینے میں'' کا عنوان منتخب کیا گیا جس پر فضیلت ثانی کے طالب علم رفیع الہلال محمد سفیان نے مفصل گفتگو کی۔ حسب سابق برجستہ تقاریر اور سوال وجواب کے پروگرام میں سامعین نے بھرپور حصہ لیا۔ آصف علی عبدالرشید رفضیلت ثالث نے مزاحیہ پروگرام ''خبرنامہ'' پیش کیا۔ اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے مولانا نورالہدی سلفی صاحب نے اخیر میں خطاب کیا۔ پروگرام میں شرکت کرنے والے تمام طلبہ کو انعامات سے نوازا گیا۔ نظامت کی ذمہ داری محمد نثار محمد یاسین رفضیلت ثانی نے ادا کی۔

(۳) لجنۃ الثقافہ کی تیسری نشست کا انعقاد ۲۳؍اکتوبر بروز جمعرات قاعۃ المحاضرات میں ہوا۔ اس مرتبہ طلبہ کے لیے

خصوصی پروگرام ''مسابقہ سیرت رسول ﷺ'' اور ''مسابقہ معلومات عامہ'' رکھا گیا، جس میں متوسطہ ثالثہ وثانویہ کے دس (۱۰) اور عالمیت وفضیلت کے بائیس (۲۲) طلبہ نے حصہ لیا۔ مسابقہ سیرت رسول میں محمد وجود رمتوسطہ ثانیہ نے اول پوزیشن، فیصل جمال اختر متوسطہ ثانیہ نے دوم پوزیشن اور محمد سجاد متوسطہ ثالثہ نے سوم پوزیشن حاصل کی۔ جب کہ مسابقہ معلومات عامہ میں اخلاق احمد رفضیلت ثانی ،شکیل احمد رفضیلتثانی اور مشکور عالم رعالم ثانی نے علی الترتیب اول، دوم، سوم نمبرات حاصل کیے۔ کاشف جمال رعالم اول نے خبر نامہ پیش کیا۔ صدر مجلس مولانا محمد اسلم مبارک پوری صاحب نے اخیر میں طلبہ کو خطاب کیا اور پروگرام کے مشترکین کو انعامات سے نوازا۔ نظامت کے فرائض طارق اسعد بن اسعد اعظمی رفضیلت ثانی نے ادا کی۔

(۴) لجنۃ الثقافہ کی چوتھی نشست ۶ رنومبر ۲۰۱۴ء بروز جمعرات مولانا محمد ایوب سلفی صاحب کی زیر صدارت منعقد ہوئی، تلاوت ونعت خوانی کے بعد محمد عاصم افضال احمد رفضیلت ثانی نے عصر حاضر کے حساس موضوع ''داعش: حقیقت کے آئینے میں'' پر مقالہ پیش کیا اور اس پر تفصیلی بحث کی۔ ''کیا ہندوستانی مسلمان آزاد ہیں'' کے موضوع پر ایک مباحثہ کا اہتمام کیا گیا، جس میں ۶ رطلبہ نے حصہ لیا۔ ان طلبہ کو دو گروپ میں تقسیم کیا گیا اور فریقین نے اس موضوع کی موافقت ومخالفت میں اپنے دلائل پیش کیے۔ عبداللہ تمجید عالم رفضیلت ثالث نے اردو وعربی زبان میں علمی لطائف پیش کیے، جن کا سامعین نے انگریزی، عربی وارد و میں علی الفور ترجمہ کیا۔ عبداللہ ثاقب مقصود عالم رفضیلت ثانی نے حالات حاضرہ کے تعلق سے سامعین سے سوالات کیے اور سامعین نے ان کے جوابات دیئے۔ حسب سابق '' آصف علی عبدالرشید رفضیلت ثالث نے مخصوص انداز میں ''خبر نامہ'' پیش کر کے سامعین کو محظوظ کیا۔ اخیر میں صدر مجلس مولانا محمد ایوب سلفی صاحب نے خطاب کیا اور لجنۃ الثقافہ کی حسن تنظیم وتنسیق کی داد دی، نیز صدر موصوف کے ہاتھوں شرکا کے درمیان انعامات کی تقسیم بھی عمل میں آئی۔ نظامت کی ذمہ داری طارق اسعد بن اسعد اعظمی رفضیلت ثانی نے ادا کی۔

مذکورہ تمام مجالس کا انعقاد، موضوعات کی ترتیب وتنقیح اور انتظام وانصرام ڈاکٹر محمد ابراہیم مدنی صاحب کی زیر نگرانی عمل میں آیا۔ تمام پروگراموں میں محمد نثار محمد یٰسین رفضیلت ثانی (نائب امین لجنۃ الثقافہ) کا مکمل تعاون شامل حال رہا۔

☆☆☆

عالم اسلام

ظل الرحمٰن سلفی

ترکی میں قرآن کریم اور عربی زبان کی تدریس لازمی:

ترکی کی حکومت نے تمام مدارس میں قرآن مجید کی تعلیم اور عربی زبان کی تدریس کو قرآن فہمی کی غرض سے دوسری زبان کی حیثیت سے لازمی قرار دیا ہے، تاکہ یونیورسٹی کی سطح پر پہنچنے والے طلباء کے اذہان وقلوب میں قرآن مجید کی روشن تعلیمات کا ایک واضح تصور ذہن نشین رہے۔اور یہ چیز بدلتے سیاسی حالات میں ان نوجوانوں کے لیے ایک صحیح اور مثبت گائیڈ لائن کا کام دے سکے۔

واضح رہے کہ ترکی کے موجودہ صدر رجب طیب اردگان مدرسہ کے فارغ التحصیل ہیں۔ بعدازاں انہوں نے جامعہ مرمرہ سے ڈگری حاصل کی ہے۔ (اخبار مشرق:۱۲/۱۱/۲۰۱۴ء)

کلید خانہ کعبہ شیخ صالح الشیبی کے سپرد:

خانہ کعبہ کے قفل کی کنجی پیش رو کنجی بردار شیخ عبدالقادر الشیبی کی وفات کے بعد شیخ صالح الشیبی کو سونپی گئی ہے۔انہوں نے کہا کہ خانہ کعبہ کی کلید برداری کا کردار ایک عظیم اعزاز ہے اور یہ بہت عظیم ذمہ داری ہے۔واضح ہو کہ خانہ کعبہ کی چابی خاندان شیبی کے پاس ہونے کی روایت ۶۳۰ عیسوی میں فتح مکہ کے بعد سے چلی آرہی ہے، جب نبی اکرم ﷺ اس خاندان کے لیے دعا کی، اور خانہ کعبہ کی صفائی کے بعد کنجی شیبہ بن الوقاص کو واپس کردی تھی۔شیخ صالح نے خانہ کعبہ کی چابی حوالگی کی تقریب میں یہ بھی کہا کہ ہمارے شیبی خاندان کے اب تک (۱۰۹) افراد خانہ کعبہ کے کنجی بردار رہ چکے ہیں۔اور اس سلسلہ میں ہمارے خاندان میں کبھی کوئی اختلاف نہیں رہا، بلکہ خاندان کے سب سے معمر شخص کو یہ شرف دیا جاتا رہا۔ (اخبار العالم الاسلامی، مکہ مکرمہ:۱۲/۱۱/۲۰۱۴ء)

مدارس دہشت گردانہ سرگرمیوں میں ملوث نہیں: حکومت ہند کا اعتراف:

مدارس اسلامیہ ہند کے دہشت گردانہ سرگرمیوں میں ملوث ہونے سے متعلق جو الزامات عائد کئے جارہے تھے، مرکزی سرکار نے بدھ کو (مورخہ ۱۲/نومبر ۲۰۱۴ء) مکمل طور پر روک لگادی ہے۔سرکار کی حالیہ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ مدارس میں کہیں بھی دہشت گردی یا جہادی گروپ یا نظریہ کی تبلیغ واشاعت نہیں کی جارہی ہے۔اس رپورٹ نے ان الزامات کی حقیقت کو واضح کردیا ہے جن میں کہا گیا تھا کہ مدارس دہشت گردی کے اڈے بنے ہوئے ہیں، ملک میں مدارس اسلامیہ سے متعلق مختلف سوالات اٹھائے جارہے ہیں، جس کے بعد حکومت نے ملک بھر میں مختلف مکاتب فکر کے مدارس کا اندرونی تجزیہ کرایا تھا، سیکورٹی ایجنسیوں نے حال ہی میں رپورٹ حکومت کے سپرد کی ہے۔وزارت داخلہ کے ذرائع کے مطابق رپورٹ میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ جہاں بھی ہندوستانی اساتذہ ہیں وہاں دہشت گردانہ یا جہادی نظریات کی تبلیغ یا تعلیم نہیں دی جارہی ہے۔ (سیاسی قیادت، دہلی:۱۵/۱۱)

یورپ میں فلسطینی ریاست کو تسلیم کرنے کے لیے زبردست لہر:

میڈرڈ: اسپین نے دوسرے یورپی مملک کے نقش قدم پر چلتے ہوئے آئندہ ہفتے فلسطین کو ریاست تسلیم کرنے کے سلسلے میں پارلیمنٹ کے اندر ووٹنگ کا فیصلہ کیا ہے، اگرچہ یہ ووٹنگ علامتی ہوگی، لیکن مشرقی یروشلم میں اسرائیلی جارحیت کے درمیان اس کی انتہائی اہمیت ہے، کیونکہ اس سے صہیونی حکومت کو واضح طور پر پیغام جائے گا کہ وہ فلسطین کے ریاستی حل کے سلسلے میں زیادہ دنوں تک بے وقوف نہیں بنا سکتی ہے۔قابل ذکر ہے کہ فرانس کی پارلیمنٹ میں فلسطین کو بطور ریاست تسلیم کرنے کے لیے اس ماہ ۲۸/نومبر کو ووٹنگ ہونی ہے۔دریں اثنا یہ بھی خبر ہے کہ اٹلی میں بھی سفارتی اور سیاسی سطح پر فلسطینی ریاست کو تسلیم کرنے کی کوشش شروع ہوگئی ہے۔ (اردو پوائنٹ) ☆

باب الفتاوی

سوال: بیڑی، سگریٹ نوشی، تمباکو اور تمباکو سے بننے والی دوسری چیزوں کے استعمال کا شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب بعون اللہ الوھاب وھوالموفق للصواب:

اس سلسلہ میں صحیح اور راجح موقف یہ ہے کہ یہ حرام ہے درج ذیل وجوہ کی بنا پر:

۱- یہ خبائث میں سے ہے اور ان کو اللہ تعالی نے حرام قرار دیا ہے، ارشاد ربانی ہے: ﴿وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَآئِثَ﴾ (اعراف:۱۵۷) یعنی نبی امی ان کے لئے پاک چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور ناپاک وگندی چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ مجموع الفتاوی ۲۱/۵۴۰ میں طیب اور خبیث کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: فكل ما نفع فهو طيب وكل ما ضر فهو خبيث والمناسبة الواضحة لكل ذى لب ان النفع يناسب التحليل والضرر يناسب التحريم "(یعنی ہر نفع بخش چیز طیب و پاک ہے اور ہر ضرر رساں چیز خبیث و گندی ہے اور نفع کے مناسب بات یہ ہے کہ اس کو حلال قرار دیا جائے، جبکہ ضرر کے مناسب حرمت ہے۔ اور دوسری جگہ (۱۷/۱۸۰) میں فرماتے ہیں: "فالطيبات التي أباحها في المطاعم النافعة للعقول والأخلاق والخبائث هي الضارة للعقول والأخلاق " یعنی وہ طیبات جن کو اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے کے لیے حلال ٹھہرایا ہے وہ عقل واخلاق کے لئے نفع بخش ہیں اور خبائث وہ چیزیں ہیں جو عقل واخلاق کے لئے ضرر رساں ہیں۔ اس اعتبار سے تمباکو خبائث میں شامل ہیں کیونکہ عقل واخلاق دونوں کے لئے ضرر رساں ہیں اسی وجہ سے بہت سے محققین علمائے کرام نے اس کو خبائث میں شمار کیا ہے۔ جناب شیخ ابن باز اپنے ایک فتوی میں لکھتے ہیں کہ: "الدخان محرم بكونه خبيثا ومشتملا على أضرار كثيرة والله سبحانه وتعالى إنما أباح لعباده الطيبات من المطاعم والمشارب وغيرهما وحرم عليهم الخبائث قال الله سبحانه وتعالى في وصف نبيه ﷺ في سورة الأعراف: ١٥٧: ﴿يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَآئِثَ﴾ والدخان بأنواعه كلها ليس من الطيبات بل من الخبائث ، وهكذا جميع المسكرات كلها ، من الخبائث والدخان ، لا يجوز شربه ولا بيعه ولا التجارة فيه كالخمر، والواجب على من كان يشربه ويتجر منه البداءة بالتوبة والانابة إلى الله سبحانه وتعالىٰ والندم على ما قضى والعزم على أن لا يعود في ذلك، ومن تاب صادقا تاب الله كما قال عز وجل: ﴿وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعاً أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُون﴾ (نور:۳۱، الفتاوی للشیخ ابن باز (۱/۱۳۶)۔

یعنی سگریٹ نوشی حرام ہے کیوں کہ یہ گندی چیز ہے اور بہت سے نقصانات پر مشتمل ہے اور اللہ تعالی نے اپنے بندوں کے لئے کھانے پینے کی چیزوں میں سے پاکیزہ چیزیں حلال ومباح کی ہیں اور گندی چیزوں کو حرام کیا ہے اور تمباکو اپنی تمام قسموں سمیت پاکیزہ چیزوں میں سے نہیں بلکہ گندی چیزوں میں سے ہے، اسی طرح تمام نشہ آور چیزیں بھی گندی چیزوں سے ہیں۔ اس لیے تمباکو نہ پینا جائز ہے نہ اس کی بیع وشراء اور تجارت جائز ہے، جیسا کہ شراب کی حرمت ہے۔ لہذا جو شخص سگریٹ پیتا ہے اور اس کی تجارت کرتا ہے اسے جلد ہی اللہ تعالی کے حضور رجوع اور توبہ کرنا، گذشتہ فعل پر نادم ہونا اور آئندہ نہ کرنے کا پختہ عزم کرنا چاہئے، اور جو شخص سچے دل سے توبہ کرے

اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: ''اے ایمان والو! سب کے سب اللہ کے حضور توبہ کروتا کہ تم فلاح پاؤ۔

۲-حرام ہونے کی دوسری وجہ اسکار (نشہ پیدا کرنا) ہے بہت سے علماء محققین کی رائے ہے کہ تمبا کو سکر (نشہ) ہے اورنشہ آور اشیاء کے استعمال سے شریعت نے منع کیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے، صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "كل مسكر خمر وكل مسكر حرام"(مسلم الأشربة، برقم: ٧٤/ ٥٢١٩) ہرنشہ آور چیز خمر ہے اور ہر قسم کی خمر حرام ہے۔

ابوداؤد اور ترمذی میں حضرت عائشہ سے مرفوعا روایت منقول ہے:" كل مسكر حرام وما أسكر الفرق منه فملء الكف منه حرام"(أبوداؤد الأشربة باب ماجاء فى السكر، برقم: ٣٦٨٧، والترمذى الأشربة باب ماجاء ما أسكر كثيره فقليله حرام، برقم: ١٨٦٦) ہرنشہ آور چیز حرام ہے جس مشروب کی کثیر مقدار نشہ پیدا کرے اس کا ایک گھونٹ پینا بھی حرام ہے۔

علامہ شیخ احمد بن حجر آل بوطامی حفظہ اللہ فرماتے ہیں: نقل متواتر سے اس کا مسکر ہونا ثابت ہے وہ اس طرح کہ اسکو استعمال کرنے والے بہت سے لوگ اپنی عقل کھو بیٹھے، بعض آگ میں جل کر مر گئے۔ بعض سمندر میں گر کر مر گئے، بعض کنویں میں گر کر ہلاک ہوگئے، ان حقائق کا انکار مکابر، ہٹ دھرم، اور ضدی ہی کرسکتا ہے۔

مزید فرماتے ہیں کہ: ''پہلی مرتبہ یا ایک مدت تک چھوڑنے کے بعد استعمال کرنے والوں کے لئے تمبا کو مسکر (نشہ آور) ہے، یہ صفت اس کو حرام قرار دینے کے لئے کافی ہے، تحریم کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر استعمال کرنے والے کیلئے مسکر ہو۔

۳- تمبا کو دیگر وجوہ سے بھی حرام ہے، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبیداللہ مبارکپوری رحمہ اللہ کی تحریر پڑھئے شیخ الحدیث رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''زردہ، تمبا کو کھانا پینا یا اس کا منجن استعمال کرنا یا ناک میں اس کا لڑکنا اور سونگھنا میرے نزدیک جائز نہیں ہے بلکہ حرام ہے، اور نہ اس کی تجارت کرنی ٹھیک ہے، اولاً اس لئے کہ اس کا استعمال تمام اطباء کے نزدیک بالاتفاق مضر صحت ہے اور صحت کو خراب کرنے والی چیزوں کا استعمال شرعا حرام ہے۔

ثانیا: اس لئے کہ تمبا کو کھانے اور پینے والے کے منہ میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے جس سے اپنے بغل میں کھڑے ہونے والے نمازی کو اذیت و تکلیف پہنچتی ہے، نیز مسجد میں ایسی بدبودار چیز کے ساتھ جانا ٹھیک نہیں ہے بلکہ ناجائز ہے۔

ثالثا: اس وجہ سے کہ تمبا کو کا استعمال کھانے اور پینے میں اسراف وتبذیر ہے اور اسراف وتبذیر دونوں شرعا حرام ہے۔

رابعا: اس لئے کہ تمبا کو کھانا پینا بدن میں سستی اور سر میں چکر اور عقل میں فتور نیز خدر و بے حسی کا اثر پیدا کرتا ہے۔ اور آنحضرت ﷺ نے مسکر کی طرح مفتر سے بھی منع فرمایا ہے حدیث میں ہے: "نهى عن كل مسكر ومفتر" جو مولوی صاحبان بیڑی، سگریٹ اور حقہ پیتے ہیں یا پان کے ساتھ زردہ تمبا کو استعمال کرکے عورتوں کی طرح اپنا منہ اور ہونٹ لال کرتے ہیں اور ادھر ادھر یہاں وہاں پیک تھوک کر زمین یا دیوار لال کرتے ہیں اور گندگی پیدا کرتے ہیں وہ اپنے فتوے اور عمل کے ذمہ دار ہیں تمبا کو، زہر قاتل ص: ۹۴-۹۶)

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اس بری لت سے بچائے۔ (آمین ثم آمین، تقبل یارب العالمین)۔

دارالافتاء

جامعہ سلفیہ، بنارس